شہرت بخاری
دیوارِ گریہ

دیوارِ گریہ

شہرت بخاری

مکتبۂ عالیہ ○ لاہور

دیوارِ گریہ

شہرت بخاری

ناشر ـــــ الطاف حسین
سرورق ـــــ حفیظ سرور
کتابت ـــــ ممتاز احمد

قیمت
-/۱۵

یکے از مطبوعات
مکتبۂ عالیہ ـــــ ایبک روڈ ـــــ لاہور

پیش لفظ

"نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
ہمہ آفتاب بینم، ہمہ آفتاب گویم"

"حقّا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا"

دل سے ممنون کیا ہے تو زباں دے مجھ کو
جرأتِ نالہ و توفیقِ فغاں دے مجھ کو

کس کو مطلوب ہے جاہ و حشمِ فغفوری
نازشِ کج کلہاں، نازِ بتاں دے مجھ کو

لعل و گوہر مرے کس کام کے ہیں آلِ علیؑ
سپرِ فقر دے، شمشیرِ بیاں دے مجھ کو

حسرتِ ہوش و خرد لغو، غمِ سود غلط
لذتِ بے خبریٔ عیشِ زیاں دے مجھ کو

دِل میں ہمت نہ رہی، جسم میں قوت نہ رہی
میں کہاں کھو گیا، کوئی تو نشاں دے مجھ کو

مجھ سے رسم و رہِ دنیا نہیں چلتی یارب!
میرے دل کی، مری آنکھوں کی عناں دے مجھ کو

میں ترے در کا بھکاری، مرا دامن نہ جھٹک
حسرتِ گل سے ہوں دل تنگ خزاں دے مجھ کو

یوں غمِ دہر نے گھیرا ہے کہ جی رُکتا ہے
کوئی ایسا نہیں شہرت کہ اماں دے مجھ کو

"بعد از خدا بزرگ توئی قصّہ مختصر"

میں سگِ دُنیا کہاں اور کہاں نعتِ رسولؐ
پھر بھی حسرت ہے کہ ہو جائیں یہ دو لفظ قبول

لالہ و گل کو مقدّر ہوئی خوشبو تیری
روشنی دیتا ہے سُورج کو ترے ہاتھ کا پھول

تیرا سایہ بھی جو پڑ جائے تو فردوس بنے
وہ بیابان جہاں اُڑتی ہے ہر جانب دُھول

ترے رستے میں بچھائے ہیں جنھوں نے کانٹے
آ گئے جب ترے دَر پر تو انہیں پھول ہی پھول

حرزِ جاں جس نے بنایا نہ ترا نام — اُسے
خضر کی عُمر بھی مقسوم اگر ہو تو فضول

ترے قدموں میں جگہ پاؤں تو سب کچھ مل جائے
سیم و زر، دیر و حرم سب تری نعلین کی دھول

یا شہنشاہِ زمن ایک نظر شہرتؔ پر
سخت مردودِ خلائق ہے مگر آلِ بتولؑ

تا ہست علیؑ باشد و تا بود علیؑ بود

عجب طلسم یہ دُنیا ہے، یا علیؑ مدد دے
نہ شام ہے نہ سویرا ہے، یا علیؑ مدد دے

نگاہ اپنے سوا دیکھتی نہیں کچھ بھی
نصیبِ دل غمِ دنیا ہے، یا علیؑ مدد دے

یہ شخص جس کو تری بندگی کا دعویٰ ہے
خود اپنے سائے سے ڈرتا ہے، یا علیؑ مدد دے

گزر رہی ہے جو دل پر کہوں تو کس سے کہوں
یہ شہرِ غیرتِ صحرا ہے، یا علیؑ مدد دے

نہ سیم و زر کی طلب ہے نہ قصر و ایواں کی
زمانہ پھر بھی ستاتا ہے، یا علیؑ مدد دے

زباں تلاشِ سخن آشنا میں سوکھ گئی
سخن زباں کو ترستا ہے، یا علیؑ مدد دے

خطا سراپا ہے شہرت مگر نگاہِ کرم
وہ تیری خاکِ کفِ پا ہے، یا علیؑ مدد دے

"حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسینؑ"

فلک کو زیر کروں چاہے جبرئیل بنوں
وہ لفظ لاؤں کہاں سے ترا سلام کہوں
چراغِ طاق نبیؐ، رنگ و بوئے باغِ علیؑ!
تجھ ایسا پاؤں کہاں سے کہ جس کی مدح کروں
امامِ تشنہ لباں، دستگیرِ دل زدگاں
تری فقیری نے توڑا شہنشہی کا فسوں
پناہ پائیں ترے ذکر میں زمانے کے دکھ
ترے خیال میں ہر دل گرفتہ پائے سکوں
خرد کے بس میں نہیں ہے کہ تجھ کو پہچانے
اِس آئنے کو جلا دے تو صرف تیرا جنوں
اِس ایک اشک کے بدلے کہ تیرے غم میں بہے
جو کائنات کی دولت بھی مل سکے تو نہ لوں
تری نگاہِ کرم ہو تو ایک عشرہ کیا
مثالِ شمع ترے غم میں ساری عمر جلوں
مری رگوں میں ترا خون، میں ترا بندہ
پھر اپنا درد میں جا کر کہوں تو کس سے کہوں
سوائے اِس کے نہیں کوئی آرزو شہرت
مدینہ و نجف و کربلا کی خاک بنوں

اندر غزلِ خویش نہاں خواہم گشت
تا برلبِ تو بوسہ زنم خوش خواں

——— (عمارہ)

○

سیرِ ہستی ہے خواب سا کوئی
ہم نفس ہے نہ ہم نوا کوئی

رات بھر آسماں ہے یا میں ہوں
جیسے تاروں میں جا بسا کوئی

اپنی صورت سے خوف کھاتا ہوں
یوں دکھاتا ہے آئنہ کوئی

دل عجب شہر ہے جہاں یارب
اجنبی ہے نہ آشنا کوئی

گمرہی سے نکل سکا نہ کبھی
جس نے پایا ہے راستہ کوئی

تیرگی سے نجات پا نہ سکا
چاند کے ساتھ جب رہا کوئی

کون سورج کو یہ خبر دیتا
شمع کے ساتھ جل بجھا کوئی

ڈوبتی ناؤ کا نظارہ کیا
چڑھتے دریا کو دیکھتا کوئی

ق

ہائے کیا لوگ تھے خیال آرا
جن کا ثانی نہ مل سکا کوئی

کوئی سرو دمن کو باعثِ رشک
غیرتِ موجۂ صبا کوئی

کوئی جاڑوں کی چاندنی جیسا
دوپہر گرمیوں کی تھا کوئی

کوئی برسات کی گھٹا کی مثال
ہمسرِ برقِ کوہ تھا کوئی

روز تدِ نظر تھی شکل نئی
روز اک داغ دے گیا کوئی

عمرِ رفتہ کا سوگ ہے میں ہُوں
دُھوپ میں برف رکھ گیا کوئی

ق

ہاں در و بامِ کوچۂ جاناں!
مجھ سا دیکھا ہے دُوسرا کوئی

اپنے شعلوں میں ڈھل گیا یکسر
ہے بھی ایسا غزل سرا کوئی!

بات سچّی ہے نیم سے کڑوی
آدمی ہو کہ ہو خُدا کوئی

عشق کی کربلا میں شہرت جی
تم سا کم حوصلہ نہ تھا کوئی

○

اِس عہد میں شعر بُن رہا ہوں
آندھی میں چراغ چُن رہا ہوں

کانٹے بھی مہک رہے ہیں گو میں
میں بادِ صبا میں بھُن رہا ہوں

کس مُنہ سے گِلہ کروں کسی کا
میں آپ ہی اپنا گھُن رہا ہوں

ہنگامۂ دار و گیرِ زر میں
آواز کسی کی سُن رہا ہوں

اپنی ہی غزل کی دُھن پہ شہرت
بیٹھا ہوا سر کو دُھن رہا ہوں

○

بے نشہ بہک رہا ہوں کب سے
دوزخ سا دہک رہا ہوں کب سے

پتّھر ہوئے کان موت کے بھی
سُولی پہ لٹک رہا ہوں کب سے

جھڑتی نہیں گرد آگہی کی
دامن کو جھٹک رہا ہوں کب سے

ق

لاہور کے کھنڈروں میں یارب!
بلبل سا چہک رہا ہوں کب سے

روشن نہ ہوتیں غزل کی شمعیں
شعلہ سا بھڑک رہا ہوں کب سے

تاریک ہیں راستے وفا کے
سورج سا چمک رہا ہوں کب سے

ٹوٹا نہ فسردگی کا جادو
غنچہ سا چٹک رہا ہوں کب سے

جلتا نہیں بے کسی کا خرمن
بجلی سا لپک رہا ہوں کب سے

اِس حرص و ہوا کی تیرگی میں
سونا سا دمک رہا ہوں کب سے

سنسان ہے وادیِ تکلّم
بادل سا کڑک رہا ہوں کب سے

بستی کوئی ہو تو رل بھی جائے
صحرا میں بھٹک رہا ہوں کب سے

گل چیں کوئی ہو تو قدر جانے
جنگل میں مہک رہا ہوں کب سے

ہاں اے غمِ عشق مجھ کو پہچان
دِل بن کے دھڑک رہا ہوں کب سے

پیمانۂ عُمر کی طرح سے
ہر لمحہ چھلک رہا ہوں کب سے

معلوم یہ اب ہوا کہ شہرت
دیوانہ ہوں بک رہا ہوں کب سے

○

آئنہ ہوں، آئنہ نما ہوں
معلوم نہیں مجھے میں کیا ہوں

دیکھو جو مجھے تو مست بادل
چاہو جو مجھے تو میں ہَوا ہوں

ہر چیز عجیب لگ رہی ہے
آج ایسے دوراہے پر کھڑا ہوں

دیکھا نہ نظر اُٹھا کے خود بھی
ہر چند میں سرتاپا صدا ہوں

ہر پھول جُھلس کے رہ گیا ہے
اِس باغ کی میں عجب صبا ہوں

ہر لفظ سے لغزشیں نمایاں
ہر چند فسانۂ وفا ہوں

یوں تم نے بھلا دیا ہے مجھ کو
میں اپنی نظر سے گر گیا ہوں

میں بندۂ بُو تراب شہرت
ٹوکو نہ مجھے میں با خدا ہوں

○

ہر چند سہارا ہے ترے پیار کا دِل کو
رہتا ہے مگر ایک عجب خوف سا دِل کو

وہ خواب کہ دیکھا نہ کبھی لے اُڑا نیندیں
وہ درد کہ اُٹھا نہ کبھی کھا گیا دِل کو

ہر صُبح بدلتا ہے نیا رنگ زمانہ
ہر شام ہے درپیش نیا مرحلہ دِل کو

یا سانس کا لینا بھی گزر جانا ہے جی سے
یا معرکۂ عشق بھی اِک کھیل تھا دِل کو

وہ آئیں تو حیران، وہ جائیں تو پریشان
یارب کوئی سمجھائے یہ کیا ہو گیا دِل کو

سونے نہ دیا شورشِ ہستی نے گھڑی بھر
میں لاکھ ترا ذکر سناتا رہا دِل کو

سرچشمۂ ظلمت کے سوا کچھ بھی نہ نکلا
میں وادیٔ خورشید سمجھتا رہا دِل کو

رُو دادِ محبّت نہ رہی اِس کے سوا یاد
اِک اجنبی آیا تھا اُڑا لے گیا دِل کو

جُز گردِ خموشی نہیں شہرت یہاں کچھ بھی
کس منزلِ آباد میں پہنچا لیا دِل کو

○

مہرباں ہو ہی گئے ہو تو ندامت کیسی
آ گئے ہو تو نہ آنے کی وضاحت کیسی

اپنی اوقات سمجھنی مجھے آسان ہوئی
آ گئی آپ کی باتوں میں سلاست کیسی

کچھ بھی کڑوا نہ رہا، کچھ بھی کسیلا نہ رہا
بس گئی آپ کے لہجے میں حلاوت کیسی

ایک اک سانس شبِ غم میں تھا صحراؤں کی لُو
ہم سے پوچھے کوئی ہووے گی قیامت کیسی

عشرتِ صحبتِ خوباں ہو کہ عیشِ دُنیا
جی بہلتا نہیں اُجڑی ہے طبیعت کیسی

فرق باقی نہیں اشراف و اراذل میں کوئی
مِل گئی خاک میں اقدار کی دولت کیسی

چہرے اُترے ہوئے، آنکھوں میں اندھیرے آباد
ایک افسانہ ہوئی غم کی روایت کیسی

سوئی اُنگلی میں چُبھے شہر میں چرچا ہو جائے
وائے اِس دور میں ارزاں ہے شہادت کیسی

عاشقی خاک بسر، کوچہ بہ کوچہ حیراں
شہر سے محو ہوئی حُسن کی حُرمت کیسی

ہوَج بافی و غزل گوئی کا رُتبہ یکساں
ہو گئی نذرِ خرافات حقیقت کیسی

کِس توقع پہ شب و روز کی گنتی آخر
اُن کو نفرت نہیں مجھ سے تو محبّت کیسی

ایک اک رونگٹا سُورج کی کرن ہو جیسے
آج کی رات ہے پہلو میں یہ حِدّت کیسی

مژدۂ وصل تو کیا، وصل کی حسرت نہ رہی
راس آئی مرے جی کو شبِ فرقت کیسی

جتنی باقی ہے وہ کٹ جائے، بھرم رہ جائے
وضعداری کسے کہتے ہیں، نجابت کیسی

اپنی پہچان بھی مشکل ہوئی مجھ کو شہرت
ہو گئی دیکھتے ہی دیکھتے صورت کیسی

○

سُورج ڈوبنے آیا جب کچھ
سامنے آئی دُنیا تب کچھ

اُترا چہرہ راز کا بیری
مُنہ سے کہا ہے ہم نے کب کچھ

گلی گلی میں پتّھر کھا کر
سیکھا ہے جینے کا ڈھب کچھ

وصل کی تپتی چھاؤں میں بیٹھے
لوگ ملے ہیں آہ بلب کچھ

کِس نے بجھایا کِس کے دیئے کو
شور سا تھا تاروں میں شب کچھ

جانے کیا ہونے والا ہے
خواب نظر آتے ہیں عجب کچھ

شعر کی رونق خونِ جگر سے
چھین لیا دنیا نے سب کچھ

سایہ ہیں ڈھلتے دن کا ہم بھی
سیکھ لے دُنیا ہم سے اب کچھ

شہرت کچھ تو مُنہ سے بولو
اِس خاموشی کا ہے سبب کچھ

○

اِس نگری میں چلتے پھرتے پتّھر ہیں کیا جانے تُو
کون سی آس لئے پھرتا ہے گلی گلی دیوانے تُو

دِن کو ہنس ہنس کر کاٹے دُنیا رات میں چین سے سوتی ہے
تجھ کو بھی آرام ملے گر دل کی بات نہ مانے تُو

صُورت بدلی، سیرت بدلی، حرف و حکایت ایک ہوئی
اپنی جگہ پر سچّا تو بھی کیسے مجھے پہچانے تُو

بھاگ مرے سائے سے پیارے لیکن وہ دن دُور نہیں
پہروں چُھپ چُھپ کر رو دے گا سُن کے مرے افسانے تُو

کِس کی بزم ہمیشہ قائم، کونسی شمع جلی ہے سدا
دیکھ دیکھ کے کیسا خوش ہے گرتے ہوئے پروانے تُو

میری غزلِ اس دور کا حاصل پر تجھے اس سے مطلب کیا
"طاقِ ابرو" طاق پہ رکھ کر سنتا ہے فلمی گانے تُو

شہرت تجھ کو خبر ہے آخر کیا ہوگا انجام ترا
شہر کا رستہ یاد نہیں ہے، بھول گیا ویرانے تُو

ے مصنف کا پہلا مجموعۂ کلام

○

واقعے سارے فسانے نکلے
دُور کے ڈھول سُہانے نکلے

گھر میں تنکا بھی نہیں تھا باقی
لوگ جب آگ بجھانے نکلے

شہرِ ہجراں ہو کہ صحرائے وصال
جا بجا غم کے خزانے نکلے

ہم کو دیکھو کہ مٹا کر دُنیا
کس خرابے کو بسانے نکلے

بُوئے گل، رنگِ شفق، نورِ سحر
سب ترے غم کے بہانے نکلے

چھین کر نیند مری آنکھوں سے
خواب کیا کیا وہ دِکھانے نکلے

آئنہ دیکھا جنھوں نے نہ کبھی
میری تصویر بنانے نکلے

عرصۂ دشت ہُوا تنگ تو ہم
شہر میں خاک اُڑانے نکلے

کھو گئے بِھیڑ میں شہرت صاحب
واہ کیا دُھوم مچانے نکلے

○

دل میں حسرت نہ رہی سر میں ہے سودا اب تک
آندھیاں ہار گئیں، تازہ ہے شعلہ اب تک

روز اک قافلۂ یاس اُترتا ہے یہاں
پھر بھی سنسان ہے صحرائے تمنّا اب تک

سالہا سال سے ہیں وادیٔ خورشید میں ہم
اُفقِ دل پہ جھمکتا ہے اندھیرا اب تک

خاک اُڑتی نظر آتی ہے گلی کوچوں میں
آدمی کوئی یہاں سے نہیں گزرا اب تک

جانتے ہیں کہ نہیں کوئی کسی کا، پھر بھی
ڈھونڈتے پھرتے ہیں جینے کا سہارا اب تک

دلِ زدہ ہم بھی ہیں لیکن نہیں پرساں کوئی
قیس و فرہاد کا عالم میں ہے چرچا اب تک

خاکِ کنعاں کا نہیں نام و نشاں بھی باقی
وا ہے پھر کس کے لئے بابِ زلیخا اب تک

تیرا غم، تیرا تصوّر بھی نہ آڑے آیا
خون کے ساتھ رواں ہے غمِ دنیا اب تک

فاش ہونے کو ہیں اسرار کو اک بے شہرت
ہم کو رونے کا بھی آیا نہ سلیقہ اب تک

○

نہیں یہ رات ہی کچھ ہم پہ بھاری
مقدّر ہو چکی لمحہ شماری

بڑی آنسوؤں میں بیتا دن ہمارا
بڑی مایوسیوں میں شب گزاری

یہ کیسا آئنہ خانہ ہے جس میں
نظر آتی نہیں صورت ہماری

کھُلا رکھّے جو تُو دروازہ اپنا
پھِرے کیوں دَر بدر تیرا بھکاری

یہ سارے خود فریبی کے ہیں منظر
کہاں کا دیوتا، کِس کا پجاری

تمہیں معلوم ہے لاہور والو!
کہاں گم ہو گیا شہرت بخاری

○

مانعِ گریہ نہ ہو، ہم ترا کیا لیتے ہیں
اپنے روٹھے ہوئے لمحوں کو منا لیتے ہیں

شہر میں عمر کٹی پر یہ طبیعت کیا ہے
کوئی ویرانی ہو، ہم گھر میں بسا لیتے ہیں

چاہنے والا کوئی ہم سا نہ دیکھا ہو گا
سامنے آؤ تو ہم آنکھ چرا لیتے ہیں

داغِ دل سے نہ فسردہ ہو کہ اربابِ طلب
ایک اِس شمع سے ہر شمع جلا لیتے ہیں

ہم، کنارے پہ بھی لگتا ہے کہ گرداب میں ہیں
لوگ ڈوبی ہوئی کشتی کو ترا لیتے ہیں

ہم سے دو دن غمِ دُنیا بھی نہ برداشت ہُوا
لوگ کیسے غمِ جاناں کو نِبھا لیتے ہیں

قحطِ احباب کا غم کیا کہ غمِ دل اپنا
آئنہ سامنے رکھتے ہیں سُنا لیتے ہیں

اب یہ عالم ہے کہ جب یاد ستاتی ہے تری
اپنی تصویر کو سینے سے لگا لیتے ہیں

بزمِ ہستی میں رہے کوئی تو رونق آخر
ہم ترے درد کو غزلوں میں سجا لیتے ہیں

کوئی پتّھر غمِ دنیا کا نہ محروم رہے
روز ہم کاتبِ کی دیوار اُٹھا لیتے ہیں

اِس زمانے میں بھی شہرت ہیں وہ نادان کہ جو
شاعری کرتے ہیں، اوقات گنوا لیتے ہیں

○

ایک سایہ سا ساتھ رہتا ہے
کوئی دیکھو عجب تماشا ہے

آہٹیں گونجتی ہیں برسوں سے
کون اِس رہ گزر سے گزرا ہے

تجھ کو پایا تو کھو دیا تُجھ کو
وقت کا یہ بھی اِک کرشمہ ہے

میں تجھے ڈھونڈنے کہاں نکلوں
کوئی منزل نہ کوئی رستہ ہے

بندھ رہا ہے طلسم سا ہر سُو
شہر ہے، دشت ہے نہ دریا ہے

ہائے وہ دل کہ خاص گھر تھا ترا
وقفِ دنیا و اہلِ دُنیا ہے

اُس کو کیا کام چاند سورج سے
جس کے سینے کا داغ جلتا ہے

دِل کا عالم بیاں کروں کیسے
سانپ سا صبح و شام ڈستا ہے

تُم سے کچھ کہہ رہا ہے شہرتؔ جی
دِل تمہاری غزل کا شیدا ہے

○

میں فقط تیرا ہوں، تُو میرا ہے
رات بھر ایک خواب دیکھا ہے

پُوچھ اُس سے جو نذرِ دریا ہے
ناخُدا کون ہے، خُدا کیا ہے

دُھول اُڑتی ہے بَن میں بستی میں
کِس قیامت کا اَبر برسا ہے

آج پھر تیرگی نے یُورش کی
آج پھر آفتاب نکلا ہے

ایک پتّھر ہوں، لاکھ کہنے کو
سانس آتا ہے، دِل دھڑکتا ہے

برق گرتی ہے، مسکراتا ہوں
اِس زمانے میں کون مجھ سا ہے

اِس زر و سیم کی قیامت میں
دل کی آواز کون سنتا ہے

ہاتھ کی میل تھی جسے دُنیا
آج مٹی کے بھاؤ بِکتا ہے

سانس بھی روک لو جو ممکن ہو
آس کا اِک چراغ جلتا ہے

میرؔ سے شہرتِ بخاری تک
ہائے کیا کیا دِوانہ گزرا ہے

○

بات رہی جاتی ہے ادھوری
ایسی آخر کیا مجبوری

سانس کی لَو تھرّانے آئی
رہ گئے کتنے کام ضروری

پل میں ساری عمر کا قصّہ
کہہ گئی آنکھوں کی بے نوری

تنہا تنہا کیوں پھرتا ہوں
کوئی تو ہو گی مجبوری

ختم ہوئیں سب راہیں شہرتؔ
کم نہ ہوئی منزل کی دوری

○

حسنِ یوسف ہوں نہ اب عشقِ زلیخا ہوں میں
شہر والوں کے لئے ایک تماشا ہوں میں

کچھ بتاتے نہیں بیتے ہوئے لمحے بھی مجھے
کس کو گم کر کے ہر اک بزم میں تنہا ہوں میں

سر جھکائے ہوئے ہر شخص گزر جاتا ہے
کس کو معلوم کہ صحرا ہوں کہ دریا ہوں میں

کس تماشے نے تجھے کھو دیا واپس آ جا
اے مرے بھولنے والے! تری دنیا ہوں میں

بارہا ٹوٹ کے پہروں یہاں بادل برسا
پیاس بجھتی نہیں ایسا کوئی صحرا ہوں میں

میں ترا چاہنے والوں ہوں مگر اس کا علاج
تو کوئی منزلِ موہوم ہے، رستا ہوں میں

یہ الگ بات کہ دُنیا نے تجھی کو جانا
شمعِ محفل ہے اگر تُو، تو اُجالا ہوں میں

گر خطا کی ہے تو دونوں نے مگر کیا کیجے
تو مہِ چار دہم ہے، شبِ یلدا ہوں میں

تو زر و سیم کا شیدائی، میں درویشی کا
تو زمانے کا ہے شرمندہ تو اپنا ہوں میں

تجھ کو پایا تو یہ پردہ بھی نظر سے اُٹھا
جستجو اپنی ہوں، اپنی ہی تمنّا ہوں میں

رکھیو یارب! مرے سینے کو ہرا داغوں سے
ہاں اسی دولتِ بیدار پہ زندہ ہوں میں

وحشتِ دل نے کہیں کا بھی نہ چھوڑا شہرتؔ
شہرِ لاہور میں تنہا ہوں، اکیلا ہوں میں

○

یہ کوئی جینا ہے، جینے کی اک سزا سی ہے
کہ شہرِ وصل میں بھی ہر طرف اُداسی ہے

تمام رات وہ برسا ہے ٹوٹ کر بادل
مگر یہ کیسی زمیں ہے کہ پھر بھی پیاسی ہے

میں کیسے اجنبی سمجھوں تجھے، میں غیر کہوں
یہ شکل دیکھی ہوئی ہے، یہ آشنا سی ہے

قریب جائیے جتنا بھی، دُور جاتی ہے
خدا نہیں ہے یہ دُنیا مگر خدا سی ہے

وہ ایک یاد کہ جو زندگی کا حاصل تھی
بہت دنوں سے یہ کیا ہے کہ کچھ خفا سی ہے

ہر ایک گزرا ہوا لمحہ میری دولت ہے
اِسی سے ہے دل و دیدہ میں کُچھ ضیا سی ہے

ہجومِ خلق کے با وصف شہر ہے سنسان
کِسی دُکھے ہوئے دل کی یہ بد دعا سی ہے

خود اپنی شکل سے اب دل کو خوف آتا ہے
کہ جیسے میں نہیں شہرت کوئی بلا سی ہے

○

وجہِ تسکیں ہُوا نہ دھیان ترا
عینِ دریا میں بھی رہا پیاسا

تُو تصوّر سے بھی پَرے نکلا
میں تجھے تیرے ساتھ سمجھا تھا

اب غمِ وصل ہے نہ عیشِ فراق
خواب ہی خواب رہ گئی دُنیا

کیسا بادل تھا جس کے گِھرتے ہی
شہر در شہر جاگ اُٹھے صحرا

ایک تیری نظر کے پھِرتے ہی
دِل نے عالم دکھائے ہیں کیا کیا

اب کہ میری غزل کی جان ہے تو
اب تجھے کون مجھ سے چھینے گا

دِل کی دھڑکن ہے سانس کی گرمی
میں نے خود کو بنا لیا تجھ سا

کِس نے شہرت کا خواب دیکھا ہے
کِس کے سینے میں آفتاب ڈھلا

○

لذّتِ گمرہی کیا پوچھتے ہو
قافلے سے کبھی رہ کر دیکھو

خون رو لو کہ تبسّم کر لو
اِس اندھیرے کو غنیمت جانو

جل بُجھا سارا بدن ، اب کیا ہے
اے غمِ عشق کے ٹھنڈے شعلو!

حاصلِ عشق نہیں اِس کے سوا
خاک ہو جاؤ ، لہو میں ڈوبو

موت بھی بس میں نہیں ہے شہرتؔ
کِس نے یوں لوٹ لیا ہے مجھ کو

○

پردہ وہاں اُٹھا یہاں چہرہ اُتر گیا
یعنی پلک جھپکنے میں دریا اُتر گیا

منزل قریب آئی تو ہر آس بجھ گئی
گہرائیوں میں وقت کی رستہ اُتر گیا

ایسا غبار، قافلۂ یاس کا اُڑا
سورج کے آئینے میں اندھیرا اُتر گیا

ذرّہ کہیں سے اُڑتا ہُوا آنکھ میں پڑا
محسوس یوں ہُوا کوئی صحرا اُتر گیا

آتے سمے کی آندھیاں نظریں بجھا گئیں
اندھے کنوئیں میں پیاس کا مارا اُتر گیا

ساحل پہ مجھ کو چھوڑ کے تنہائیوں کے ساتھ
دل بحرِ درد میں تنِ تنہا اُتر گیا

اِس شہر کی نہ پوچھ یہاں کی ہوا نہ دیکھ
نظریں بچا کے دار سے عیسیٰ اُتر گیا

شہرت بیانِ غم کے صلے میں ہُوا نصیب
ایسا جوابِ تلخ کہ نشّہ اُتر گیا

○

غبار بن کے اُڑے ہم، تو جا ملے اُن کو
مثالِ سنگ پڑے ہیں جو، کیا ملے اُن کو

رہے جو موج کے رحم و کرم پہ ، پار لگے
وہ ڈوبنا تھا جنہیں، ناخدا ملے اُن کو

یہ کیا ہوا کہ بہانے تلاش کرتے ہیں
تمام عمر ہمیں بَرملا ملے اُن کو

اُڑائے سر مرا کوئی مگر یہ یاد رہے
مرے رہیں نہ رہیں خوں بہا ملے اُن کو

مرے خیال کے صحرا میں کھو گئے ہیں وہ
خدا کرے نہ کبھی راستہ ملے اُن کو

نصیب جن کو نہ ذوقِ طلب نہ شوقِ سجود
ترا کرم کہ ترا نقشِ پا ملے اُن کو

یہ وہ زمانہ ہے جس میں سرِ وفا ہو جنہیں
دلِ فسردہ، لبِ بے نوا ملے اُن کو

کڑکتی دھوپ میں اپنی جو عمر بھر سوئے
کسی کی چھاؤں میں آرام کیا ملے اُن کو

اِن آندھیوں میں جو روشن رکھیں چراغِ ہنر
کشاکشِ غمِ ہستی صِلہ ملے اُن کو

بھٹکتا پھرتا ہے دَر دَر، گلی گلی شہرت
بتائیو جو کبھی اے صبا! ملے اُن کو

○

گنگ ہیں دو جہاں، کہو کچھ تو
رات گمبھیر ہے، ہنسو کچھ تو

دِل کی دھڑکن تو ہم سفر ہو گی
راہ سنسان ہے، چلو کچھ تو

میرے ہونٹوں کو سی دیا ہے تو کیا
وقت کے ہاتھ سے ڈرو کچھ تو

کون داغوں کو دل کے سمجھائے
آندھیاں تیز ہیں جلو کچھ تو

میرؔ و غالبؔ خدا سہی شہرتؔ
ہم غریبوں کی بھی سنو کچھ تو

○

رگ و پے میں بِس بن کے بَس جائیں گی
یہ تنہائیاں مجھ کو ڈس جائیں گی

جن آنکھوں میں جلوے ہیں کونین کے
وہ صُورت کو اپنی ترس جائیں گی

وہ کلیاں کہ سُورج پہ ہنستی رہیں
نسیمِ سحر سے جُھلس جائیں گی

جیئیں گے کِس امید پہ ریگ زار
اگر یہ گھٹائیں برس جائیں گی

گمانوں کی بِھیڑوں سے رُکتے ہو کیوں
کہ یہ قبر تک پیش و پس جائیں گی

کوئی داغِ دل ہو تو روشن کرو
یہ شمعیں نفس دو نفس جائیں گی

اُمیدوں سے بھی کیا توقّع کہ وہ
بہت ہو گا شہرت تو ہنس جائیں گی

○

یا مجھی سے تھی انجمن اُن کی
یا فقط رہ گئی لگن اُن کی

ہائے وہ گُل کہ خار بن کے گئے
دِل میں ہے آج بھی چبھن اُن کی

لوگ اُس کو بھی گُنگ کر کے رہے
یاد تھی ایک، ہم سخن اُن کی

دشت و دریا دو نیم تھے جن سے
دُور ہوتی نہیں تھکن اُن کی

جن کو رہتا ہے شوقِ عرضِ ہنر
کُو بکُو لاش بے کفن اُن کی

جن کے اشکوں سے گل بنیں کانٹے
قدر کرتا نہیں چمن اُن کی

شعر کہتے رہیں گے شہرتؔ جی
جب تلک دِل میں ہے لگن اُن کی

○

بات بھولا کہاں کہاں اُن کی
اُن سے کہتا ہوں داستاں اُن کی

کل تلک چاند سے بھی پردہ تھا
اب صبا بھی ہے رازداں اُن کی

جن کے نالوں سے گُل بھڑک اُٹھیں
تاب کب لائے باغباں اُن کی

جن کے دیکھے سے جان پڑتی تھی
صُورتیں ہیں دھواں دھواں اُن کی

خود کو جب ڈھونڈنے نکلتا ہوں
راہ پاتا ہوں درمیاں اُن کی

جن کو نسبت تھی آستاں سے ترے
عُمر گزرے گی اب کہاں اُن کی

خونِ دل سے لکھے غزل شہرتؔ
قدر کرتے ہیں نکتہ داں اُن کی

○

راہ تکتے ہیں بام و دَر اُن کی
کون لاتے مگر خبر اُن کی

خاک اُڑائی ہے کُو بکُو اپنی
جستجو کی ہے دَر بدر اُن کی

خود سے جو لَو لگائے بیٹھے ہیں
دِل بجُھا، گُل ہوئی نظر اُن کی

رات طے کر رہے ہیں جو تجھ بِن
تجھ کو معلوم ہے سحر اُن کی

ہم سخن کی تھی آرزو کل تک
آج قیمت ہے سیم و زر اُن کی!

میرے دامن میں جُز غزل کیا ہے
دُور پڑتی ہے اب نظر اُن کی

میرا جو حال ہو سو ہونے دو
بات کیجو نہ چارہ گر! اُن کی

قافیہ پھر بدل کے شہرتؔ جی
نیند قربان بات پر اُن کی

○

رہ گئی حسرتِ وفا اُن کی
ہاتھ آئی نہ پھر ہوا اُن کی

رفتہ رفتہ چراغ بجھتے گئے
بات کہتی رہی صبا اُن کی

پیس ڈالا مجھے زمانے نے
یاد کرتا ہوں اب جفا اُن کی

جو ترے تیر کا نشانہ بنیں
وقت کرتا نہیں دوا اُن کی

بھول بیٹھا ہوں شکل بھی اپنی
یاد ہے ایک اک ادا اُن کی

کیا ہوئے جن کو شوقِ سجدہ تھا
راہ تکتے ہیں نقشِ پا اُن کی

تیری بدحالیاں بجا شہرت
اِس میں لیکن خطا ہے کیا اُن کی

○

چاند کہتا ہے داستاں کِس کی
جستجو میں ہے آسماں کِس کی

منزلیں کِس کی راہ تکتی ہیں
کھوج میں ہے یہ کارواں کِس کی

کِس کی حیرت عیاں ہے نظروں سے
دِل میں تصویر ہے نہاں کِس کی

اَبر کو مستیاں ملیں کِس سے
چال چلتا ہے آسماں کِس کی

میرے اشکوں میں عکس ہے کِس کا
میرے ہونٹوں پہ ہے فغاں کِس کی

کون اس آئینے میں روشن ہے
آبرو ہے یہ گلستاں کِس کی

دشت ہی دشت، سلسلے ہی سلسلے
جستجو میں ہوں میں، کہاں، کِس کی

چھا گیا ہر زُباں پہ سنّاٹا
بات آئی ہے درمیاں کِس کی

اُن کو سب کچھ خبر ہے، ہنستے ہیں
بات کِس کی ہے یہ، زباں کِس کی

کون دھڑکن میں دل کی ہے شہرت
ہے غزل میری مدح خواں کِس کی

○

تلخ تر ہو گئی زباں میری
کیوں سنے کوئی داستاں میری

اے شبِ غم تجھے خبر ہو گی
روشنی کھو گئی کہاں میری

شوقِ خود آگہی بُرا ہو ترا
خاک اڑائی کہاں کہاں میری

میری گُم گشتگی کے کیا کہنے
جستجو میں ہے کارواں میری

چاند نکلا تو رو دیئے وہ بھی
داستاں ہو گئی بیاں میری

اُن کا کیا حال ہو خُدا جانے
سوزح تو طبعِ بدگماں میری!

ق

میں کسے پُوجتا ہوں اپنے سوا
تُوہ میں ہے ہر آستاں میری

اپنا ہی عکس دیکھتا ہوں میں
آنکھ پڑتی ہے اب جہاں میری

اپنے کارن ذلیل و خوار ہُوا
اپنی فرقت میں ہے فغاں میری

اپنی تصویر رکھ کے بیٹھا ہوں
شکل تکتا ہے راز داں میری

نام اُن کا ہے درد ہے اپنا
بات سمجھے گا نُکتہ داں میری

اور ایسی ہی اک غزل شہرتؔ
تجھ کو سوگند، میری جاں! میری

○

شام سے کم نہیں سحر میری
کون پہنچائے پر خبر میری

آ کے واپس گیا نہ غم اُن کا
جا کے لوٹی نہیں نظر میری

آخرِ کار جا ملی اُن سے
آرزو اُن کی، ہم سفر میری

خستہ پائی کے باوجود اب تک
اُن کی منزل ہے رَہ گزر میری

اور کیا تھا کہ چھینتی دُنیا
یاد تھی اُن کی اِک نگر میری

وہ کہاں ہیں کیسے نہیں معلوم
میں کہاں ہوں کسے خبر میری

کیوں زباں سے کہوں، بھرم کھوؤں
میری حالت ہے شکل پر میری

ایک ہی چیز خاص ہے مجھ سے
یعنی شوریدگیِ سر میری

گمرہی کا بھلا ہو جس کے طفیل
ہو گئی راہ مختصر میری

کوئی پروانہ ہو تو آئے بھی
شمع جلتی ہے رات بھر میری

دِل بدلتا نہیں خدا اُن کا
بات سُنتا نہیں بشر میری

اے غمِ دل جو فیصلہ ہو سو کر
ناز برداریاں نہ کر میری

دل کُشا ہو چلا ہے غم اُن کا
لگ نہ جائے کہیں نظر میری

کیوں کسی کا گلہ کروں شہرت
عُمر گزری ہے دَر بدر میری

○

ہم شمع کی مانند اکیلے نہ جلیں گے
اُن پر بھی سدا نیند کے سائے نہ رہیں گے

اِک سُوت کی اَنٹی ہے بہائے مہِ کنعاں
یعقوب کے آنسو نہ بکے ہیں نہ بکیں گے

تنہا کہاں جائے گی شبِ درد ٹھہر جا
ہم بھی کوئی دن میں ترے ہمراہ چلیں گے

بستی میں ہیں آخر کِسی صحرا میں نہیں ہیں
کچھ اور نہیں ہو گا تو سر پھوڑ مریں گے

مت بھُول کہ یہ لوگ بجُز سایہ نہیں ہیں
سُورج کے غروب ہونے تلک ساتھ چلیں گے

دشتِ غمِ جاناں بھی غنیمت ہے عزیزو!
یہ بھی نہ رہے گا تو کہاں جا کے بسیں گے

اب جن سے بڑا دوست نہیں ایک بھی شہرت
جاؤ گے جو اُٹھ کر تو یہی لوگ ہنسیں گے

○

بھاتا نہیں غلاف میں تلوار دیکھنا
ہوتا ہے کون کس کا طرف دار دیکھنا

منظور تھا نہ گرمیٔ بازار دیکھنا
ہاں اک متاعِ دل کا خریدار دیکھنا

سینہ اُجاڑ، سانس پریشاں، نگاہ گم
کیا دل کُشا ہیں صبح کے آثار دیکھنا

ہر ذرہ آفتاب بکف پاؤ گے یہاں
اِن بستیوں کا سایۂ دیوار دیکھنا

اے رخشِ شوق راستہ کترا کے چل ذرا
ہم اپنے آپ سے بھی ہیں بیزار دیکھنا

اک اُن کی آرزو تھی سو قربان کر چکے
کس چیز کے ہیں اب وہ طلبگار دیکھنا

دِل ٹوٹتا ہے آس مگر ٹوٹتی نہیں
اے ہم نشیں! طریقۂ انکار دیکھنا

میں مُدّعی وفا کا نہیں غیر کی طرح
مرنے پہ پھر بھی کون ہے تیار دیکھنا

لے دے کے رہ گیا ہے یہی ایک کام اب
ہر گام پر زمانے کی رفتار دیکھنا

نکلے تھے وادیٔ گل و لالہ کے کھوج میں
قسمت میں تھا یہ دشتِ پُراسرار دیکھنا

پھر زندگی کے کام کا رہتا نہیں کوئی
یہ راہِ عاشقی ہے، خبردار! دیکھنا

شہرت بھی چند روز سے ملتا نہیں کہیں
"اے ساکنانِ کوچۂ دلدار دیکھنا"

○

اگر طلسم نہیں زندگی تو پھر کیا ہے
گھٹا کا نام نہیں اور مینہ برستا ہے

عجیب کھیل ہے یارب! عجب تماشا ہے
کہ ہجر و وصل میں دل ایک سا دھڑکتا ہے

زمانہ سخت پُر آشوب ہے، قریب آ جا
نہ کوئی تجھ سا ہے پیارے نہ کوئی مجھ سا ہے

اب ایسے دل کا کوئی رنگ ہو تو کیا جس میں
لہو کی بوند نہیں، آنسوؤں کا دریا ہے

کوئی کہے نہ کہے جانتا ہے دل میرا
کہ آج پھر کوئی اِس رہ گزر سے گزرا ہے

نہ پوچھ جب یہ حقیقت کھلی تو کیا گزری
کہ لفظ ختم ہوئے، واقعہ ادھورا ہے

مرے غبار میں گم قافلے زمانوں کے
تمہاری راہ میں ہر لمحہ آبلہ پا ہے

کسے خبر ہے کہ کیا ہو اگر خبر ہو جائے
کہ تیرے عشق سے آگے بھی کوئی دنیا ہے

مثالِ شعلہ بھڑکتا ہے دھیان میں میرے
برنگِ گل جو غزل میں مری مہکتا ہے

کوئی نہیں جو یہ پیغام اُس کو پہنچا دے
کہ تیرے شہر میں شہرت ترا اکیلا ہے

○

سر میں دُنیا کا جنوں تھا مگر اتنا بھی نہ تھا
دِل طلبگارِ سکوں تھا مگر اتنا بھی نہ تھا

غیرِ تسخیرِ کواکب نہ رہا کارِ خرد
عَلَمِ شوق نگوں تھا مگر اتنا بھی نہ تھا

معجزہ ہو گا جو اک ذرّہ بھی بچ جائے گا
آسمانوں میں سکوں تھا مگر اتنا بھی نہ تھا

دِل کہ فارغ نہ رہا اپنے ہی جنجالوں سے
واقفِ رازِ دروں تھا مگر اتنا بھی نہ تھا

اب ترا نام بھی لیتا ہوں تو جی رُکتا ہے
غم تِرا تشنۂ خوں تھا، مگر اتنا بھی نہ تھا

شکر و شکوہ ہے نہ حسرت نہ تصوّر کوئی
اُن کی باتوں میں فسوں تھا مگر اتنا بھی نہ تھا

یوں تو تقدیر کے ہاتھوں میں ازل سے شہرت
آدمی صیدِ زبوں تھا مگر اتنا بھی نہ تھا

○

اتنا نہیں بے فیض یہ آئینۂ دُنیا
خود ہم نے چڑھا رکھا ہے زنگارِ تمنّا

برباد ہے اک آبلہ و خار کی خاطر
جس پاؤں کو دھو دھو کے پیا کرتے تھے دریا

بادل کہ وہ شاداب کرے دشت و دمن کو
کیا لطف ہے یارب کہ رہے آپ ہی پیاسا

آگاہ تو ہوتا یہ کچھ اوقات سے اپنے
اِس شہر نے دیکھا نہیں پتلی کا تماشا

دنیا رہی پروانہ، رہا ہے وہ جہاں بھی
میں شمع کی مانند پگھلتا رہا تنہا

کہتے ہیں ترے پاس نہ صورت ہے نہ دولت
سمجھے ہیں مرے پیار کو بازار کا سودا

میں نے تری شاموں میں اُجالے کیے آباد
تجھ سے مری صبحوں میں دہکتا ہے اندھیرا

کھولی ہے زباں مجھ پہ انہوں نے بھی کہ جن کو
جینے کا سلیقہ ہے نہ مرنے کا قرینہ

اُن کو بھی کہ محرومِ بصارت ہیں ازل سے
شہتیر نظر آیا مری آنکھ کا تنکا

میں لاکھ تہی دست ہوں لیکن مرے دم سے
تا حشر زمانے میں رہے گا ترا چرچا

پوشیدہ مرے دل میں دفینے ہیں غزل کے
لوگو! مجھے سمجھو مری قیمت نہیں دُنیا

یہ آگ جو بھڑکی تو بجھائے نہ بجھے گی
قابو میں نہ آئے گا یہ ٹھہرا ہوا دریا

جو عیب ہیں شہرت میں کسی اور میں کم ہیں
پھر بھی کوئی اِس بزم میں آئے گا نہ ایسا

○

کرم ہو یا ستم سمجھا نہ جائے
سوئے منزل کوئی رستہ نہ جائے

تمیزِ شہر و صحرا اُٹھ گئی ہے
کہاں ٹھہرے، کِدھر دیوانہ جائے

یہ کیسا ابر ہے یارب کہ جس سے
سمندر کے سوا برسا نہ جائے

گھُٹا جاتا ہے گو اِس بھیڑ میں دَم
مگر اِس بھیڑ کو چھوڑا نہ جائے

غمِ جاناں، غمِ عقبےٰ، غمِ دل
کِسی غم سے غمِ دُنیا نہ جائے

ہنسیں گے کیا تجھے مل کر وہ جن سے
خود اپنے حال پر رویا نہ جائے

کوئی میری نظر کی داد تو دے
اُسے دیکھوں جسے دیکھا نہ جائے

کسی دیوار کے سائے میں شہرتؔ
شکستہ پا ہوں پر ٹھہرا نہ جائے

○

یہ کون بسا ہوا ہے دِل میں
اِک حشر مچا ہوا ہے دِل میں

سنسان پڑی ہوئی ہیں آنکھیں
میلا سا لگا ہوا ہے دِل میں

جی شاد ہو سیرِ گل سے کیسے
کانٹا سا چُبھا ہوا ہے دِل میں

خود اپنی ادائیں دیکھتا ہوں
آئینہ جڑا ہوا ہے دِل میں

اُلٹا نہ کبھی نقاب جس نے
تصویر بنا ہوا ہے دِل میں

جیسے وہ ازل سے آشنا تھا
یوں جلوہ نما ہُوا ہے دِل میں

شہرت نہیں جیسا گُل چمن میں
وہ پھُول سجا ہُوا ہے دِل میں

○

کچھ پیشِ در تو کچھ پسِ دیوار مر گئے
چاہت کے جن کو چاؤ تھے ناچار مر گئے

تارے اُجاڑ، اوس پریشاں، چراغ سُن
حاصل تھا جن کو دیدۂ بیدار مر گئے

دیوانہ پھر رہا ہے کوئی پوچھتا نہیں
کیوں ساکنانِ کوچۂ دلدار مر گئے!

ساغر چھلک رہا ہے کوئی دیکھتا نہیں
گویا تمام شہر کے مے خوار مر گئے

دُکّان کیا سجائیے، سامان کیا رکھیں
تھی جن کے دَم سے گرمیِ بازار مر گئے

زندہ ہوں اور اپنی جگہ مطمئن بھی ہوں
معلوم ہے کہ میرے عزا دار مر گئے

شہرت ہی سخت جان ہے ورنہ بقولِ میرؔ
"جن جن کو تھا یہ عشق کا آزار مر گئے"

○

مونس تھا بس اک دل سو دغا دے گیا وہ بھی
بھڑکے ہوئے شعلے کو ہوا دے گیا وہ بھی

کیفیّتِ الطاف و کرم کیسے بیاں ہو
جو زخم ملا اُن سے مزا دے گیا وہ بھی

اور اِس سے سوا کیا مری بدحالیاں ہوں گی
بیمار کیا جس نے دوا دے گیا وہ بھی

کیا خوش تھا ترے دھیان کے آ جانے سے لیکن
جو درد تصوّر میں نہ تھا دے گیا وہ بھی

آئینہ جو دیکھا تو وہیں رہ گیا سُن سے
انجامِ تماشہ کا پتہ دے گیا وہ بھی

کیا کیا نہ مری راہ کی دیوار رہا ہے
اِک عشق تھا جینے کی سزا دے گیا وہ بھی

شہرت کو بہت ناز تھا شیریں سخنی پر
وہ دَر نہ کُھلا، آ کے صدا دے گیا وہ بھی

○

پات بے رُوپ ، پھُول بے رنگت
اب یہی ہے بہار کی حُرمت

بزمِ انجم اُجڑتی جاتی ہے
غیر ہے آسمان کی حالت

آندھیوں کے اُفق پہ ہیں آثار
دیدنی ہے چراغ کی صُورت

لالہ و گل پہ منحصر کیا ہے
خار و خس بھی ہیں باغ کی دولت

قسمتِ اہلِ شہر ہیں شہرت
چھِن گئی جن سے درد کی دولت

○

ضبطِ دردِ نہاں کرو کچھ تو
پاسِ رسمِ فغاں کرو کچھ تو

گُل نہیں ہیں تو اشکِ خوں ہی سہی
زینتِ گلستاں کرو کچھ تو

اِس طرح کیوں اُداس پھرتے ہو
قصّۂ دل بیاں کرو کچھ تو

ہر نظر پر نثار کرتے ہو
دِل کی قیمت گراں کرو کچھ تو

رات طے ہو چلی ہے شہرتؔ جی
مختصر داستاں کرو کچھ تو

○

ہم آج اپنے شہر میں انجان ہو گئے
رختِ سفر اُٹھانے کے سامان ہو گئے

دونوں جہاں اُجڑ گئے ، سنسان ہو گئے
ہم دِل کی بات کہہ کے پشیمان ہو گئے

دستِ جنوں سے ہوتے ہیں کب ورنہ تار تار
دِل تھے جو تم سے مل کے گریبان ہو گئے

مُدّت کے بعد چھوٹے جو زندانِ شوق سے
خود اپنی شکل دیکھ کے حیران رہ گئے

پیدا ہیں آج ہم میں بھی نازک مزاجیاں
قطرے بھی مل کے بحر میں طوفان ہو گئے

ہم ایک دل کے واسطے بے چین ہیں یہاں
کیا کیا نگر بسے تھے جو ویران ہو گئے

شہرت نے آج ایسی ادا سے غزل پڑھی
وہ بھی مری طرح سے پریشان ہو گئے

○

اُن کو ہو گا غمِ جہاں کا دماغ
جن کو حاصل ہے اپنے غم سے فراغ

اب کہیں بھی تو کون مانے گا
تھی ہمارے ہی دم سے رونقِ باغ

یوں تری جستجو میں نکلے ہیں
گویا خود اپنا مِل گیا ہے سُراغ

کوئی عالم ہو موت کیوں چاہوں
کیسا دِل کش ہے زندگی کا ایاغ

اِس پُر آشوب رات میں شہرت
تم کِسے ڈھونڈتے ہوئے کے چراغ

○

سانس سوا سب ساتھی چھوٹے
جانے کب یہ رِشتہ ٹوٹے

تم بِن کانٹا بن کر کھٹکے
پھُلواڑی کے سب گل بوٹے

آنسو پینا کھیل نہیں تھا
رگ رگ میں سو نشتر ٹوٹے

امیدوں کے بَٹ ماروں نے
نیندوں کے ویرانے لُوٹے

دِل کی باتیں، باتیں شہرت
باقی سب افسانے جھُوٹے

○

کالی ، بھُوری گھٹا گھنگھور
ٹُوٹ کے آئی شہر کی اور

کالی اینٹیں ، کالے روڑ
مینہ برسا دے زوروں زور

ہم بھی شاید آج ہنسیں
جنگل جنگل ناچیں مور

پہلے اِس کا کہنا مان
دِل ہے ورنہ سخت کٹھور

ہمسایوں کو دوش نہ دے
تیری بغل میں ہے چور

خلقِ خدا ویرانے میں
بستی میں ہیں ڈنگر ڈھور

سستی نیند کی ماتی سُن
ٹٹ گیا تیرا شہر بھنبھور

میں اک گُڈّی بے بس سی
اُس کے ہاتھ میں میری ڈور

شہرت گھر سے نکل کر دیکھ
بستی میں ہے کیسا شور

○

وہ تماشا کروں ہر آئنہ حیراں ہو جائے
میرے بس میں ہو تو ہر شہر بیاباں ہو جائے

آسماں جس کے رگ و ریشہ میں بس ہیں کیا کیا
چاک کر ڈالوں اگر میرا گریباں ہو جائے

دیدہ و دل میں تمھی تم ہو مگر وہم ہے یہ
تم کو پالوں تو ہر اک درد کا درماں ہو جائے

کب تلک ایسے سسکتی رہے دُنیا یا رب
اور کچھ ہو نہ ہو یاں موت ہی ارزاں ہو جائے

دَم نکل جائے کسی کا سرِ بازار تو کیا
مُرتکب کفر کا ہو جائے جو پُرساں ہو جائے

مصلحت کیش ہوئے شعلہ بیانانِ چمن
کاش شہرت ہی کسی صبح غزل خواں ہو جائے

○

وہ ایک حرفِ جمیل جس کے اثر سے باہر نہیں خدائی
ہزار چاہا مگر نہ ہونٹوں تک اُس کی ممکن ہوئی رسائی

کسے خبر کتنی بستیوں کو حریفِ صحرا بنا چکی ہے
یہ عشق کی مستقل مزاجی، یہ زندگی کی گریز پائی

کچھ اِس طرح اُس نے حال پوچھا، کچھ اِس طرح عذر جو رچایا
کہ ہونٹ آسودۂ تبسّم ہوئے مگر آنکھ بھی بھر آئی

یہ آندھیاں سب نمائشی ہیں، یہ آگ ساری بناوٹی ہے
اُدھر فسانہ چھِڑا کسی کا، اِدھر زمانے کو نیند آئی

وہ فاصلے آج بھی ہیں شہرتؔ جو ہم میں اُن میں تھے روزِ اوّل
مگر طبیعت کو یہ سکوں ہے کہ ہم نے مقدور بھر نبھائی

○

یہ حال ہوا پھرتے ہوئے دَربدر اپنا
پہنچائے کہاں دیکھیے ذوقِ سفر اپنا

تُم سے بھی بہت دُور کہیں دیکھ رہا ہوں
برہم ہے کئی دن سے مزاجِ نظر اپنا

بیتے ہوئے لمحے ہیں شبِ ہجر کے مُونس
ہو جائے کسی طور اگر دن بسر اپنا

تارے ہیں نہ آنسو ہیں نہ شبنم ہے نہ شمعیں
اب کون ہے جس کو کہے بادِ سحر اپنا

سوچا بھی نہ تھا شعلہ تھے جب زعم میں اپنے
انجام مقدّر ہے برنگِ شرر اپنا

پیدا ہیں اُفق پر وہ ابابیلوں کی ڈاریں
جو ہاتھیوں والے ہیں بچا لیں وہ سر اپنا

گم ہو گیا حیرت کدۂ میرؔ میں شہرتؔ
نکلا تھا کہ شاید کبھی مل جائے گھر اپنا

○

تم گئے ہو تو کھُلا ہے کہ کہاں تھے ہم بھی
ورنہ منجملۂ صاحب نظراں تھے ہم بھی

کہیو لے بادِ صبا! پھُول مزاجوں سے کبھی
دِل کے بازار میں اک جنسِ گراں تھے ہم بھی

باہمہ سوختہ سامانی و آشفتہ سری
درِ خورِ تیرِ قیامت نگہاں تھے ہم بھی

باغ در باغ پھرے جیسے کوئی بُلبل ہو
بے نیازِ ستمِ سُود و زیاں تھے ہم بھی

رنگ و نکہت کے کئی قافلے اُترے ہیں یہاں
کوئی کشمیر تھے یا تاج نشاں تھے ہم بھی

دامنِ گُل سے لپکتے ہوتے شعلے دیکھے
یعنی سر آمدِ اربابِ فغاں تھے ہم بھی

ٹُوٹ سکتے تھے لچکنے کا تصوّر ہی نہ تھا
اِک زمانے میں عجب سخت کماں تھے ہم بھی

آج گوشے میں پڑے ہیں کسی پتّھر کی طرح
کل تلک ہم سفرِ ابرِ رواں تھے ہم بھی

کون تسلیم کرے گا جو کہیں گے شہرت
مُسکراتے کہتے کبھی ہم بھی، جواں تھے ہم بھی

○

آج پھر سانس رُکی جاتی ہے
روشنی دُور ہوئی جاتی ہے

جس زباں پر تھے فسانے لاکھوں
بات کرنے کو رہی جاتی ہے

اب اندھیرے بھی نہ پاؤ گے یہاں
آج وہ شمع بُجھی جاتی ہے

ضبطِ غم ایسا تو دشوار نہیں
اُن کی آنکھوں کی ہنسی جاتی ہے

کیوں شفق پھیل گئی چہرے پر
اَن کہی بات رہی جاتی ہے

زندگی ایک محل تھا شہرت
راکھ کا ڈھیر ہوئی جاتی ہے

○

سراپا رقصِ بسمل ہو گئے ہیں
ہم اب جینے کے قابل ہو گئے ہیں

ہمیں نے گمرہی میں عمر کاٹی
ہمیں تصویرِ منزل ہو گئے ہیں

جِلا بخشی تھی جن لمحوں کو تم نے
وہ اب غارت گرِ دل ہو گئے ہیں

ترستی تھی جنہیں چشمِ فلک بھی
وہ لوگ اب شمعِ محفل ہو گئے ہیں

سکوں ملنے لگا یوں اُن کے غم سے
کہ جیسے خود وہ حاصل ہو گئے ہیں

یہ عالم ہے غمِ دوراں کا شہرت
کہ ہم خود سے بھی غافل ہو گئے ہیں

○

آیا تھا خیال، خواب ہیں ہم
انسان نہیں حباب ہیں ہم

زندانِ وصال و بزمِ ہجراں
زنجیریِ اضطراب ہیں ہم

غیروں کو ستم کا تازیانہ
اپنوں کے لئے عذاب ہیں ہم

مُنہ موڑ سکے نہ زندگی سے
ہر چند سراپا خواب ہیں ہم

فیضانِ جراحتِ جگر سے
ہمسایۂ آفتاب ہیں ہم

ہر لب کا فسانہ ہو گئے تھے
ہر آنکھ پہ بے نقاب ہیں ہم

آئے نہ کسی کے کام شہرت
کس کس کے لئے خراب ہیں ہم

○

ہر سمت بھڑک رہے ہیں لالے
ہے کوئی جو اپنا دِل سنبھالے

کلیوں کی چٹک پُکارتی ہے
روٹھی ہوئی زندگی منا لے

ہر گام پہ لُٹ رہی ہے جنّت
دامن ہی نہ جس کے ہو وہ کیا لے

کیا دشتِ وفا کی نذر کیجے
لے دے کے یہی ہیں چند نالے

رستے میں بچھے ہوئے ہیں کانٹے
تلووں میں پڑے ہوئے ہیں چھالے

چڑیوں کے چھتوں میں گھونسلے ہیں
دروازوں میں تن رہے ہیں جالے

میں تیری گلی کی گرد پیارے
ہے لاج مری ترے حوالے

تو نے ہی نگاہ پھیر لی جب
پھر کس کی مجال جو سنبھالے

شہرت سے فقیر بے نوا کی
ممکن ہو اگر تو تو دعا لے

○

رُو برو اُس کے کئی صاحبِ اعجاز آئے
ہو کے مرہونِ نگاہِ غلط انداز آئے

جی رُکا جاتا ہے اِس قبر کے سنّاٹے میں
آسماں ٹوٹ پڑے، پَر کوئی آواز آئے

شق ہُوا جاتا ہے دِل شورشِ سرِ غم سے
کاش ایسے میں کہیں سے کوئی ہمراز آئے

اِس قیامت میں تری یاد نے وہ کام کیا
آخری وقت میں جیسے کوئی دمساز آئے

چاند بجھا جائے سکوں، اہلِ جنوں کو، نہ رہا
وائے اے روشنیٔ طبع کہ ہم باز آئے

جان ہاروں سے رہی رزم گہِ شوق تہی
ہاتھ پاؤں تھے نہ جن کے وہ سرافراز آئے

اب کے پتّوں کو بھی یہ حکم ہوا ہے شہرت
سُوکھ کر شاخ سے ٹوٹیں تو نہ آواز آئے

○

وہ بھی ہیں کہ ناز اُن پہ کرے خود نگری بھی
راس آ نہ سکی ہم کو تو آشفتہ سری بھی

کیا کہہ کے اُنہیں پردہ اُٹھانے کو کہا جائے
اِس دور میں رُسوا ہوئی صاحب نظری بھی

یا چاند ستارے بھی نہ جچتے تھے نظر میں
یا آج غنیمت ہے چراغِ سحری بھی

آلودہ نہ کر دامنِ تسلیم گِلے سے
ہوتی ہے کبھی عُقدہ کُشا بے خبری بھی

زنہار نہ کھوجی کو، نہ بدنام کر اُن کو
اِس درد کی ممکن ہے کہیں چارہ گری بھی

حاصل اِسے دیوار، اُسے سایۂ دیوار
شہرت کے مقدر میں نہیں دربدری بھی

○

چہرے گل و لالہ کے نکھارے نہ گئے تھے
جب تک وہ تبسّم پہ تمہارے نہ گئے تھے

تو ہی نہ ملا شہرِ تصوّر میں جہاں ہم
جز تیرے کسی اور سہارے نہ گئے تھے

آسان گزرتے ہیں تصوّر میں کسی کے
وہ لمحے جو برسوں میں گزارے نہ گئے تھے

دعویٰ تھا جنھیں ہم سخنی، ہم نظری کا
وہ چار قدم ساتھ ہمارے نہ گئے تھے

میں نے ترے داغوں کو دیا رُوپ غزل کا
تجھ سے مرے نالے بھی سنوارے نہ گئے تھے

شہرت مری جاں شام و سحر رٹنے سے حاصل
اربابِ وفا کب یہاں مارے نہ گئے تھے

○

سُورج پگھل کے جیسے رگوں میں اُتر گیا
اے وہ کہ مجھ کو بھُول گیا ہے نہ یاد آ

جب اور جہاں بھی چاہا مجھے تُو نے پا لیا
میں عمر بھر نشان ترا ڈھونڈتا رہا

آتی ہے بار بار یہ آواز غیب سے
اُن کی تلاش میں ہے تو اپنی خبر بھی لا

مجھ سے جُدا ہوئے بھی تو کس مرحلے پہ تم
جب تم کو بھُولنا مرے بس میں نہیں رہا

مرنے کی ٹھان لی ہے تو ہے بات ہی کچھ اور
ورنہ وہ درد کیا ہے کہ جس کی نہیں دوا

لعل و گُہر سوا نظر آتا نہیں جنہیں
کل میرے فقر سے اُنہیں یک گونہ اُنس تھا

ہر بزم سے عزیز تھی صحبت جنہیں مری
اب جو ملے تو چاند سا چہرہ اُتر گیا

واں بے ادائیاں، یہاں نازک مزاجیاں
برسوں میں طے ہُوا نہ یہ پل بھر کا فاصلہ

برسوں کے بعد شمع جو اپنی جلائی آج
سینہ تمام وادیٔ خورشید ہو گیا

شب بھر وہ گُھٹ رہا ہے کہ گُھٹ گُھٹ گیا ہے دم
آئی سحر قریب تو چلنے لگی ہوا

نے برگ و سبزہ، نے گُل و بُلبل نہ خار و خس
جاتے ہوئے چمن کو بھی کیا لے اُڑی صبا

آئینہ رکھ کے سوچ رہا ہوں میں دیر سے
چاہا تھا جس کو اُس نے وہ شہرت کہاں گیا

○

رات بھر آگ پہ لوٹے ترے بے کل کیا کیا
رنگ آتے رہے، جاتے رہے، پل پل کیا کیا

کوئی یوسف نہیں اِس شہر میں تعبیر جو دے
خواب آتے ہیں زلیخا کو مسلسل کیا کیا

جب کبھی آئنہ دیکھا ہے تڑپ اُٹھا ہوں
یاد آیا کبھی مجنوں، کبھی جنگل کیا کیا

اب تجھے کیسے بتائیں کہ ترے دیکھنے کو
زندگی بھر رہا ان آنکھوں سے اوجھل کیا کیا

اِس گئے گزرے زمانے میں بھی اے اہلِ خرد
اِن گلی کوچوں میں مل جاتے ہیں پاگل کیا کیا

جز حسینؑ ابنِ علیؑ مرد نہ نکلا کوئی
جمع ہوتی رہی دنیا سرِ مقتل کیا کیا

باغ و صحرا میں رہا فرق نہ کوئی شہرت
اور گھِرتے رہے، چھٹتے رہے بادل کیا کیا

○

یہ آسمانوں، زمینوں کی رونقیں نہ رہیں
مجھے جلایا ہے خود بھی جلیں، مٹیں، نہ رہیں

ترے بغیر یہ عالم ہے روز و شب کا مرے
کہ دل تو زندہ رہے اور دھڑکنیں نہ رہیں

سوائے اس کے کہ پتّھر ہے وہ بھی ناکارہ
وہ دِل کہ جس کے لئے غم کی راحتیں نہ رہیں

سحر کی آس میں جینا ہی اصل جینا ہے
خدا وہ دن نہ دکھائے کہ ظلمتیں نہ رہیں

یہ مفلسی نہ کِسی کو نصیب ہو یارب
کہ بیتے لمحوں کی یادوں کی دولتیں نہ رہیں

وہ شہر رہنے کے قابل نہیں جہنّم ہے
کہ جس میں دل زدہ لوگوں کی حرمتیں نہ رہیں

یہ چہرے چاند سے جی بھر کے دیکھ لو شہرتؔ
پھر اس کے بعد یہ آنکھیں رہیں رہیں نہ رہیں

دِل زندہ رکھ جو کوئی تماشا دکھائی دے
اِس گھپ اندھیری رات میں رستہ دکھائی دے

پیشِ نگاہ اپنی ہی تصویر ہے اگر
سنسان جنگلوں میں بھی میلا دکھائی دے

آنکھیں ٹٹولتا ہوں تو ڈوبے ہوئے چراغ
سینے میں جھانکتا ہوں تو صحرا دکھائی دے

ذرّہ بھی فاصلے سے حریفِ فلک لگے
دریا قریب آئے تو قطرہ دکھائی دے

جینے کا میں بھی کچھ سر و سامان کر سکوں
جب اور بھی کوئی مجھے تجھ سا دکھائی دے

برسوں گزر گئے ہیں مگر اُن کے ذکر سے
ہر سانس ٹوٹتا ہوا لمحہ دکھائی دے

تو صاحبِ سفینہ ہے، تیرا جواب کیا
تنکا بھی ڈوبتے کو کنارا دکھائی دے

ہرگز نہ جھلملائیو اے شمعِ آرزو!
جب تک کسی کا نقشِ کفِ پا دکھائی دے

شہرتؔ سدا ہجومِ الم ساتھ ہے
وہ دِن کب آئے گا کہ تو تنہا دکھائی دے

○

ہر روز وہاں ایک نیا فتنہ کھڑا تھا
جس دشت میں میں دل زدہ پتھّر سا پڑا تھا

سانسوں میں حرارت ہے تو کچھ دھیان سے اپنے
ورنہ ترے جانے کا مجھے رنج بڑا تھا

ہنس ہنس کے کیا سہل اُسے بوالہوسوں نے
اربابِ دل و دیدہ پہ جو وقت کڑا تھا

ہر راہ میں اب قدموں سے اُن کے ہے اندھیرا
نعلین میں جن لوگوں کی خورشید جڑا تھا

مٹّی میں ملا موجِ نسیمِ سحری سے
میں سینۂ گلشن پہ ہمالہ سا گڑا تھا

وہ شور اُٹھا سارا چمن رہ گیا سن سے
سوکھا ہوا پتّا کوئی ٹہنی سے جھڑا تھا

شہرت سے حیا دار پہ کیا بیت گئی ہے
چوراہے پہ کل شہر کے حیران کھڑا تھا

○

مرحبا لطفِ گردشِ دوراں
منزلِ عشق ہو گئی آساں

چاند تارے ہیں ریت کے ذرّے
شمع روشن ہے، روشنی نہ دھواں

پھول کِھلتے ہیں، رنگ ہے نہ مہک
بُلبلیں نغمہ خواں نہ محوِ فغاں

لوگ یا پُتلیاں ہیں یا سائے
شہر کا شہر ہو گیا ویراں

جھونپڑا ہو کہ وہ حویلی ہو
اہلِ دل کو اماں یہاں نہ وہاں

حسن، محصورِ آئنہ خانہ
عشق آوارہ کُو بکُو، حیراں

اے دلِ خبر! اُداس نہ ہو
کس کو اِس درد کا ملا درماں

کاش شہرت مجھے بھی مل جائے
میرؔ کا سوز، میرزاؔ کا بیاں

○

لذتِ سفر جوئی شوق کے مچلنے تک
حسرتِ قدم رانی خارِ پا نکلنے تک

راستے عجب ہوں گے، منزلیں غضب ہوں گی
ہیں مگر یہ سب باتیں قافلے کے چلنے تک

شہر و شہرِ خاموشاں ایک ہیں حقیقت میں
کاروبارِ ہستی ہے سب چراغ جلنے تک

ملگجا ہر اک چہرہ، بے نفس ہر اک سینہ
اُلفتیں ہیں دُنیا کی آفتاب ڈھلنے تک

ہر طرف بگولوں کے بھوت ناچتے ہوں گے
زندگی ہے دریا کی موج کے اُچھلنے تک

پھر یہ اک کھلونا ہے خُرد سال بچّوں کا
آبرو صدف کی ہے بس گُہر اُگلنے تک

ظالموں کی شکلیں اب سخت یاد آتی ہیں
دشت کی تمنّا تھی شہر سے نکلنے تک

آسکو تو آ جاؤ دل زدوں کی منزل میں
خواب ہو چکے ہوں گے درد سے سنبھلنے تک

دِل کا غم حقیقت ہے تا ابد سلامت ہے
زندگی کا غم دھوکا، راستہ بدلنے تک

جی بہت فسردہ ہے، ہر طرف اندھیرا ہے
ہاں کوئی غزل، شہرتؔ چاند کے نکلنے تک

○

طوفانِ بلا دَم دَم ، اندیشۂ جاں پَل پَل
اِس شہر سے باز آئے یہ شہر ہے یا جنگل

صدیوں سے یہی سوچ ، قرنوں سے یہی صحرا
ہم راستہ بھولوں نے دیکھا ہے کہاں بادل

ہر رات ہنسی شبنم ، ہر صبح صبا روئی
کیا کچھ نہ ہوا لیکن مہکی نہ کوئی کونپل

اُس تک کوئی کیا پہنچے، آنکھیں بھی کسی کے ہیں
وہ پاؤں نہیں رکھتے ، ہے جن کو ذرا اٹکل

ڈھونڈے اُسے کیا کوئی پائے اُسے کیا کوئی
جو سامنے رہ کر بھی آنکھوں سے ہے اوجھل

وہ موجِ صبا ٹھہرے جب ہوں تو چمن چہکے
ہم ڈھیر ہیں کانٹوں کا جو راکھ ہوئے جل جل

چڑھ کر تری نظروں پر کیا کیا نہ ہوئے رُسوا
گِر کر تری نظروں سے کیا کیا نہ ہوئے بے کل

اے دشتِ بلاتے دل حد بھی ہے تری کوئی
سنسان ہوئیں آسیں، ہم ہار گئے چل چل!

گلزار کے متوالو! کچھ زادِ سفر بھی ہے
اِس راہ میں پڑتے ہیں میدان کئی چٹیل

شہرتؔ نے غزل کہہ کر اِس دور میں کیا پایا
اے تازہ نوا سنجاں! کیوں ہوتے ہو تم پاگل

○

دھیان کی محفل سُونی سُونی، کِس کو بلائے کوئی
زادِ سفر تیّار ہے اپنا، یاد نہ آئے کوئی

آندھی تیز ہوئی جاتی ہے، شمع کی لَو تھرّائی
چاروں اور گھنا سنّاٹا، راہ نہ پائے کوئی

ہر دَم سامنے رہنے والی شکلیں کیسی دُور ہوئیں
میری صورت کیا ٹھہری ہے، مجھ کو دکھلائے کوئی

کیا زن بچّہ، کیا دھن دولت، کیسا علم و حکمت
سانس کا سارا کھیل ہے پیارے، ساتھ نہ جائے کوئی

اِس صحرائے کرب و بلا میں عُمر بسر کی ساری
پانی کی اب چاہ نہیں ہے، زہر پلائے کوئی

کیسی کیسی حشر کی راتیں، ان آنکھوں نے کاٹیں
کتنی میٹھی نیند آئی ہے اب نہ جگائے کوئی

اگلی منزل کیسی ہوگی، اُس منزل میں کیا ہے
سُنے سُنائے قصّے کہہ کر کیوں دہلائے کوئی

چاند اندھیروں کی آبادی، پھول خزاں کا مسکن
کس کے سامنے دُکھڑا روئیں، کیا بہلائے کوئی

شہرت شاہ جی تم شاعر ہو کیا دُنیا کو جانو
سُکھ میں ساتھی غیر بھی ہو دیں، دُکھ نہ بٹائے کوئی

○

پَل پَل گہرے ہیں سنّاٹے، آتے نہ کوئی جائے
کِس کا رستہ دیکھ رہا ہوں، کون مجھے سمجھائے

جو پتّھر تھے پتّھر ہیں وہ، جو مٹّی تھے مٹّی
اندھوں کے اِس شہر میں مَیں نے رو رو نین گنوائے

تارے ڈوبے، شمعیں اونگھیں، اپنی آنکھ نہ جھپکی
رات ابھی باقی ہے کتنی، کون یہ راز بتائے

برسوں گزرے صُورت دیکھے، حال عجب ہے اب تک
پل دو پل وہ خواب میں آئیں، راتوں نیند نہ آئے

ایک ہی غم ہے سانجھ سویرے، ایک ہی دُکھ ہے دَم دَم
کیسے مجھے وہ بھُول نہ جائے، کیسے نہ وہ یاد آئے

کس منہ سے بازار میں جاؤں، بات کروں میں کس سے
ایک ہی سکّہ پاس ہے اپنے، سو بھی کام نہ آئے

بادل اُس کے حکم سے برسیں، دریا اُس کے بس میں
مجھ سے ازل کے پیاسے کو وہ قطرے کو ترسائے

رستہ چلتے ہنس ہنس لوٹیں، بچّے کنکر ماریں
ایک تماشا ہوں میں اُس کا، دیکھے یا دِکھلائے

اُس کا سورج ڈوبنے مت دو، شہرتؔ غزلیں گاؤ
گھُن کی طرح کھا جائیں گے ورنہ بیتے دِنوں کے سائے

○

بے مقصد، لاحاصل ہم نے دَر دَر خاک اُڑائی
گور کنارے پہنچے اب تو، اے غمِ عشق دُہائی

مجھ سا پیار کرو تو جانو، کیا ہے دردِ جدائی
ساحل سے معلوم ہو کیسے، دریا کی گہرائی

جس کی جیب میں پیسے کھنکیں بات اُسی کی اونچی
کون کسی کا سنگھی ساتھی، کون کسی کا بھائی

جس کے ہاتھ میں راجا کھیلے، پرجا اُس کی داسی
تُو نے جس کا ساتھ دیا ہے، اُس کے ساتھ خدائی

عشق خرابی فکر و نظر کی، حُسن سراسر دھوکا
کیسا کیسا مجنوں گزرا، لیلےٰ ہاتھ نہ آئی

بھنورا بن کر ڈالی ڈالی رس چوسو، اُڑ جاؤ
جس نے آج نبھانا چاہا، وہ پاگل سودائی

میری غزل نے جن لوگوں کو گُل سیجوں پہ سُلایا
اُن کے کرم سے راتوں مجھ کو پل بھر نیند نہ آئی

شہرت عرضِ ہُنر کی قیمت فاقہ مستی ٹھہری
عزت داروں کی قسمت میں گلی گلی رُسوائی

O

اپنے کارن کیوں نہ مریں ہم، خود سے کیوں نہ نبھائیں
تجھ میں کون سے لعل لگے ہیں، کیوں تجھ کو اپنائیں

کب تک بازاروں میں پھر پھر صبح کو شام بنائیں
کب تک تارے گن گن کر ہم راتوں کو بہلائیں

کب تک محفل محفل جا کر تیــــرا کھوج لگائیں
تیرا کھوج نہ پائیں جب تو اپنے آپ سے جائیں

کب تک تیرے دھیان میں صحرا صحرا خاک اُڑائیں
بیتے دنوں کی یاد میں کب تک رو رو نین گنوائیں

تیرا غم ہو یا دُنیا کا دونوں گھر کو پھونکیں
آخر فیصلہ کرنا ہو گا کون سی آگ بجھائیں

شمع سے لے کر چاند تلک ہے نظّاروں کا میلا
ایک انسان کی خاطر کب تک اِن سے آنکھ چرائیں

کل تک غیر آباد تھا لیکن تھا جادُو کی بستی
آج یہ گھر آباد ہے لیکن کرتا ہے بھائیں بھائیں

کیسا ڈنگ لگا ہے جی کو، کچھ بھی سمجھ میں نہ آئے
جب تب بادل چھائیں خوشی کے انگارے برسائیں

شہرتؔ اُن سے خفا ہو جن کے غم نے غزلیں بخشیں
خضر کی عمر عطا ہو اُن کو، اُن کی دُور بلائیں

○

کیوں نہ کسی دن شعلہ بن کر تن من راکھ بناؤں
کب تک اُن کی یاد میں دل کو غزلوں سے بہلاؤں

ق

دھیان میں بسنے والے لوگو! پاس کبھی تو آؤ
ٹوٹے پات کی صورت کب تک پاؤں میں روندا جاؤں

تُم کو نہ گر محسوس کروں تو شہر ہے شہرِ خموشاں
خاک پڑے اُس فن پر جس کی تم سے داد نہ پاؤں

میں جنگل کا پھول ہوں دیکھو، قدر مری پہچانو
میں اِس دور کا تنہا شاعر گیت عجائب گاؤں

ایک سسکتا دیپک ہوں میں، دامن پاس نہ لاؤ
ایک ہوا کا جھونکا آئے، جانے کب بجھ جاؤں

ق

میرو وزیر ترے قدموں میں، میں تیرا متوالا
تجھ سا پاؤں کہاں سے جس کے آگے سر کو جھکاؤں

تو پتھر میں دل دھڑکائے، صحرا باغ کھلائے
تیرے سوا میں کس کو جا کر اپنا حال سناؤں

شعر کی آگ میں سارا جیون جھونکا، راکھ بنایا
اس کے عوض کیا پایا میں نے، کیا تجھ کو بتلاؤں

داتا یہ بھی دیا ہے تیری، یہ بھی تیری لیلا
بن مانگے تو موتی بخشے، مانگوں بھیک نہ پاؤں

تیرا روپ فقط بجلی ہے طور کو راکھ بنائے
میرے روپ ہزاروں لاکھوں کس کس کو دکھلاؤں

شہرت مولا علیؑ کا صدقہ، کچھ تو ہوش میں آؤ
عمر کٹے گی آخر کیسے، ان کو کہاں سے لاؤں

○

غزلیں پانچ کہی ہیں لیکن دِل کی بھڑاس نہ نکلی
ڈوبنے والے سُورج اب کے آگ لگی ہے کیسی

شعر تو خود اک روگ ہے، دل کے روگ کو کیا بہلائے
زہر کا چارہ زہر سے کرنا دانائی ہے کہاں کی

عِشق بھی سودا، شعر بھی سودا، پیسے کا یہ زمانہ
پیسہ نام خدا کا ٹھہرا، پیسہ دُنیا ساری

وہ بھی دُھن کے پُجاری نکلے، وہ بھی دُنیا والے
عشق و شعر کے شیدائی کو جانیں جنگل باسی

تَن مَن دھن میں رشتہ کیا ہے، اہلِ نظر ہی جانیں
جب سُورج نے پردہ اُٹھا، پھیل گئی تاریکی

آلِ نبیؐ پر تنگ ہے اب تک ہر کوفے کی بستی
پائے امیرِ شام پہ سجدہ عین عبادت ٹھہری

شہرت بس یہ ہرزہ سرائی، رات کے سائے پھیلے
تیرا رستہ تکتے ہوں گے تیری جان علیؔ جی

ؔ شاعر کے برخوردار کا نام

○

طاقِ نسیاں میں ہے تصویرِ تمنّا کب سے
پھر بھی ہم دیکھ رہے ہیں ترا رستا کب سے

یہ ترا غم ہے کہ جیتے ہیں ابھی تک ورنہ
کھا رہی ہے ہمیں گھُن بن کے یہ دُنیا کب سے

آج دو بوند لہو دیکھ کے تم کانپ اُٹھے
بہ رہا ہے کسے معلوم یہ دریا کب سے

صورتِ شمعِ سحر، منتظرِ پرتوِ خُور
راہ میں بیٹھے ہیں ہم اہلِ تماشا کب سے

ایک بھی قیس نہیں دشتِ طلب میں یارب
نوحہ خواں ہے جرسِ ناقۂ لیلیٰ کب سے

چشمِ شبنم بھی ہوا خواہ نہ نکلی اپنی
جل رہا ہوں دلِ صحرا میں اکیلا کب سے

اپنے دل نے بھی پلٹ کر نہ کبھی دھیان کیا
سُن رہا ہوں اثرِ گریہ کا چرچا کب سے

ایک دل ایسا نہ پایا کہ مسیحا ہو کبھی
شعر کے پردے میں کہتا ہوں میں کیا کیا کب سے

دیکھ تو جھانک کے شہرت کبھی دل سے باہر
دے رہا ہے تجھے آواز زمانہ کب سے

○

کانٹوں کی سیج برسوں راتیں گزاریاں ہیں
پھر بھی تمہاری یادیں ہر شے سے پیاریاں ہیں

کیوں آج اُن کی رخصت جی ڈھائے جا رہی ہے
یہ بازیاں تو ہم نے سو بار ہاریاں ہیں

پہروں تک اُن کی صورت اب سوچنی پڑے ہے
پَر اُن بغیر جیسی تھیں بے قراریاں ہیں

گہ دل کو خنکیاں دیں، گہ آنسوؤں کو شعلے
کِس کِس طرح ہم اُن کی یادیں سنواریاں ہیں

جن کی تلاش میں ہم اک عمر خاک چھانی
کیا یہ وہ سرو و گل ہیں، کیا یہ وہ کیاریاں ہیں!

واکرکے بابِ زنداں، لب سی دیئے کسی نے
یہ بیڑیاں تو ہمدم اُن سے بھی بھاریاں ہیں

میرؔ و یقینؔ سے ہم نے اک عمر تو لگائی
تب شاہدِ غزل کی زلفیں سنواریاں ہیں

اِس دیس ہی پہ شہرت کچھ منحصر نہیں ہے
بختوں میں دل زدوں کے ہر دیس خواریاں ہیں

○

اُس حشر خو سے ہم نے آنکھیں لڑائیاں ہیں
کن آندھیوں کی زد میں شمعیں جلائیاں ہیں

کرنوں کے جاگتے ہی سو جائیں جوں اندھیرے
دیکھا ہے جب سے اُن کو خود سے جدائیاں ہیں

کس شہر جا بسے وہ، کس عیش کھو گئے وہ
ہم اُن کے راستے میں آنکھیں بچھائیاں ہیں

تاروں کی جھم جھماہٹ، پھولوں کی رسمساہٹ
کیا کیجیے ادائیں جب اُن کی بھائیاں ہیں

کیسے اُنہیں بھلا دیں، اِک عمر جن کے غم سے
شامیں اُجالیاں ہیں صبحیں سجائیاں ہیں

وہ ہوش ہو کہ مستی، میری ہو یا فقیری
کرنے کو زندگانی طرزیں بنائیاں ہیں

منزل پہ آ گئے ہیں پر اہلِ کارواں کی
آنکھیں بجھی ہوئی ہیں، رُخ پر ہوائیاں ہیں

چُپ ہیں جو فصلِ گل میں کوئی تو مصلحت ہے
ورنہ خزاں میں بھی ہم دھومیں مچائیاں ہیں

مُدّت ہوئی ہے دیکھے شہرت انہیں پر اب تک
جب یاد آ گئے ہیں، آنکھیں بھر آئیاں ہیں

○

خود سے بھی کوئی شخص اگر پیار کرے ہے
دُنیا کے ہر آرام کو آزار کرے ہے

کچھ دیر میں ہر ذرّے سے پھوٹیں گے اندھیرے
ڈھلتی ہوئی یہ دھوپ خبردار کرے ہے

یہ دِل بھی عجب چیز ہے اب کیا اسے کہیئے
جو اِس سے رکھے ربط اُسے خوار کرے ہے

کچھ اور گراں خوابی کا باعث ہُوا اُن کو
یہ نالہ کہ مُردوں کو بھی بیدار کرے ہے

آتا ہو سلیقہ جو کِسی کو طلبی کا
کافر ہے جو سر دینے سے انکار کرے ہے

تا حشر سلامت رہے یہ شہر کہ جس میں
سُورج کا اثر سایۂ دیوار کرے ہے

خود اِس سے سوا کوئی حیا دار نہ پایا
یہ عشق کہ رُسوا سرِ بازار کرے ہے

بے دام و درم آن میں بِک جاتے ہے شہرت
کیا جانیئے کیا سِحر خریدار کرے ہے

○

امید نہ کوئی دلِ بیمار میں آوے
ممکن ہے کمی صبح کے آثار میں آوے

اِس بار سنبھل جاؤں تو پھر جو بھی گزر جائے
کافر ہو اگر کوچۂ دلدار میں آوے

منصُور کو معلوم اگر ہوتا نہ مرتا
وہ لطف کہ خوابِ رسن و دار میں آوے

دیکھو مجھے عبرت کا مرقّع ہوں کہ جس سے
جینے کا مزہ صحبتِ اغیار میں آوے

بلبل تھی سو اُس کو بھی ہوا حکم کہ اب سے
شبنم کی طرح آوے جو گلزار میں آوے

اک شوت کی اَنٹی بھی نہ قیمت کوئی ڈالے
یوسف بھی جو اِس مصر کے بازار میں آوے

تا حشر نکلنے کی کوئی راہ نہ نکلے
گر خضر بھی اِس دشتِ پُر اسرار میں آوے

اِس آس میں اک عمر سے میں رہنِ غزل ہوں
ممکن ہے یہ غم معرضِ اظہار میں آوے

جُز خاکِ پریشاں نظر آئے گا نہ شہرت
سورج بھی جو اِس سایۂ دیوار میں آوے

○

دُنیا کو اپنے غم سے عبارت کروں ہوں میں
قسمت پہ اُس کی رشک نہایت کروں ہوں میں

ہر چاند اپنی اصل میں تاریکیوں کا گھر
حد ہے کہ اپنی شکل سے وحشت کروں ہوں میں

اُن سے کوئی غرض نہ زمانے سے واسطہ
اِن روزوں اپنے دِل سے محبّت کروں ہوں میں

عاشق کُشی شعار ہوا اہلِ حُسن کا
موقوف سر سے شوقِ شہادت کروں ہوں میں

ہر شب کسی طرح شبِ یلدا سے کم نہیں
ہر صبح انتظارِ قیامت کروں ہوں میں

وہ میرے سامنے ہیں مگر کتنی دُور ہیں
ہر چند امتحانِ بصارت کروں ہوں میں

کس بتکدے سے کم ہے مرا کعبۂ خیال
وہ کون ہے کہ اُس کی عبادت کروں ہوں میں

کس بے ادا کی چاہ میں خود کو مٹا لیا
دن رات اپنے دل کو ملامت کروں ہوں میں

اُس کو خبر نہیں کہ میں اُس کا نہیں رہا
کس خوش سلیقگی سے بغاوت کروں ہوں میں

ظالم نے کیسی کیسی جوانی تباہ کی
مجنوں ہوا ہر ایک کی عزت کروں ہوں میں

شہرتؔ متاعِ شعر دکانوں کی شے ہوئی
میرؔ و یقیںؔ کے عہد کو رجعت کروں ہوں میں

○

اک عُمر فسانے غمِ جاناں کے گھڑے ہیں
تارے اُفقِ شعر پہ کیا کیا نہ جڑے ہیں

صحرا میں ہے جل تھل تو سمندر میں بگولے
ہم وضع کے پابند ہیں چُپ چاپ پڑے ہیں

آئے کوئی، جائے، ہمیں کیا کام کہ ہم لوگ
کھمبے ہیں جو سڑکوں کے کنارے پہ گڑے ہیں

خود پر جو پڑی ہے تو دھڑکتا نہیں دل بھی
غیروں کے لئے کعبے میں جا جا کے لڑے ہیں

مہدیؑ کوئی آئے گا بدل دے گا مقدّر
کیا جانیے اِس آس میں کِس دن سے پڑے ہیں

ق

ہم کچھ بھی ہوں لیکن ہیں ترے پاؤں کی مٹّی
چرچے ترے، تو کچھ بھی نہ ہو پھر بھی بڑے ہیں

یہ مرتبہ حاصل ہے تری بزم کو جس سے
وہ لوگ ابھی تک پسِ دیوار پڑے ہیں

انگاّرے برستے ہیں اگر، کچھ تو ہے، ورنہ
اِس مُنہ سے سدا پھول محبّت کے جھڑے ہیں

موقوف کرو ہم سخنیِ میؔر کی شہرؔت
اربابِ قلم پر یہ شب و روز کڑے ہیں

○

لب پر غزل، نظر میں حکایت نہیں رہی
ملنے کی اُن سے اب کوئی صورت نہیں رہی

سر بر ہو گیا کشاکشِ ہجر و وصال سے
وہ جس کو زندگی کی بھی حسرت نہیں رہی

تم نے تو خیر پھر بھی نبھائی ہے چار دن
یاں اپنے آپ سے بھی شکایت نہیں رہی

بیتے دنوں کی آنچ میں ہر شے جھلس گئی
سانسوں میں نام کو بھی حرارت نہیں رہی

جنگل کی آگ اوس کے قطروں سے بجھ گئی
یعنی مجھے اب اُن سے محبت نہیں رہی

ق

یہ منزلوں دہاڑتی گنجان تیرگی
اک شمعِ دل تھی سو بھی سلامت نہیں رہی

صحنِ چمن تصرّفِ زاغ و زغن میں ہے
بُلبل کو ذکرِ گُل کی اجازت نہیں رہی

منسوب خود پرستیاں اِس دور سے ہوئیں
اپنے سوا کِسی سے عقیدت نہیں رہی

اب ٹوٹتے نہیں ہیں کسی پیرزن کے پاؤں
خسرو کی اب کِسی سے رقابت نہیں رہی

لاٹھی ہے جس کے پاس وہی گلّہ بان ہے
عقل و دل و نگاہ کی قیمت نہیں رہی

عالَم ازل سے حلقۂ دامِ خیال ہے
اِس دور میں خدا کی حقیقت نہیں رہی

جوں برگِ زرد خوار ہے پگڈنڈیوں پہ اب
شہرت کی اب کِسی کو ضرورت نہیں رہی

○

کیا سڑکوں پر مارے مارے پھرتے ہوئے مر جاؤ گے
اندھوں کے اِس شہر میں کب تک رو رو نین گنواؤ گے

اُس کی شمعیں ڈوبیں تو کیا، یاس کی مشعل روشن ہے
جس عالم میں جیسی محفل جی چاہے گا، سجاؤ گے

آندھی آ کے اُڑا لے جائے گی اِس راکھ کی ڈھیری کو
بجھنے والی آگ کو کب تک پھونکوں سے بھڑکاؤ گے

یہ مُردوں سے شرطیں بدھ کر سونے والی بستی ہے
صُورِ اسرافیل کہاں سے لا کر اِن کو جگاؤ گے

خواہش ہے تو بنگلے کی ہے، حسرت ہے تو کار کی ہے
ایک ہی بات ہر اک لب پر ہے "امریکا کب جاؤ گے"؟

یا بالوں کی آرائش ہے یا کپڑوں کی زیبائش
چہروں پر پھٹکار خدا کی اِس کو کہاں لے جاؤ گے

اِس سے بہتر ہے مٹّی میں مل کر مٹّی ہو جاؤ
ساری دُنیا تم سے واقف، کِس کِس کو بہکاؤ گے

گھر میں بیٹھ کے غزلیں گاؤ، اپنے مَن کی جوت جگاؤ
کَل جُگ ہے یہ شہرت پیارے، کِس کِس کو سمجھاؤ گے

○

کب تک پھرو گے شہر میں یوں در بدر، چلو
سورج غروب ہونے کو آیا ہے گھر چلو

ہونے کو ہے نزول بلاؤں کا، ہوشیار
جھڑ جائیں پاؤں ٹوٹ کے چاہے، مگر چلو

برپا ہے آسماں میں عجب آندھیوں کا شور
گل ہو نہ جائے شمعِ خیال و نظر، چلو

کس غم فسردگی میں پڑے ہو مثالِ بُت
آواز دے رہی ہے اذانِ سحر، چلو

یوں ایڑیاں رگڑنے سے بستر میں فائدہ
مرنے کی ٹھان لی ہے تو پھر بام پر چلو

کیوں رُک گئے ہو، مُڑ کے کسے دیکھتے ہو اب
یاں کب ملی، کسی کو کسی کی خبر، چلو

پھر صبح تک پڑے گا گھنے جنگلوں سے کام
مسکن ہیں ڈائنوں کے جہاں سر بسر، چلو

منزل کا نام لو گے تو کٹ جائے گی زباں
ٹھہری ہے اِن دنوں یہی رسمِ سفر، چلو

شہرتِ غزل کی لاش اُٹھائے کھڑے ہو کیا
مل جائے گا کوئی نہ کوئی ہم سفر، چلو

○

کوئی تو بات تھی کہ ترے ہو کے رہ گئے
ورنہ کس آرزو سے نہ تھے روشناس ہم

تنہا ترے لئے ہی نہ افسردہ دل رہے
اپنے لئے بھی ہو گئے اکثر اداس ہم

ذہنوں کے فاصلے نہ کسی طور کم ہوئے
برسوں رہے ہیں گرچہ ترے آس پاس ہم

آخر کو لَو لگانا پڑی اپنے آپ سے
کب تک ترے خیال میں رہتے اُداس ہم

اپنے ہی دل کی آگ میں جلتے ہیں رات دن
اپنے لہو سے آپ بجھاتے ہیں پیاس ہم

شدّتِ شبِ وصال ہو یا روزِ ہجر ہو
ہر حال میں رہے ہیں عجب بد حواس ہم

○

کِس راہ پہ آکے پڑ گئے ہیں
ہم کِس کے لئے اُجڑ گئے ہیں

ممکن تھا نہ جن کے بعد جینا
وہ کون تھے، کیوں بچھڑ گئے ہیں

جُز بے زری و فقیر خُوئی
کیا تھا کہ وہ یوں بگڑ گئے ہیں

وہ جن پہ کرم کیا تھا تُو نے
غیرت سے زمیں میں گڑ گئے ہیں

تا چند سہیں مزاجِ شہرت
اِس بار تو ہم بھی اَڑ گئے ہیں

○

گلشن پر بجلی کی نظر ہے جاگو بھی
کب گر جائے، کس کو خبر ہے جاگو بھی

پتّے پتّے پر سکتے کی حالت طاری ہے
ماتم دار ایک ایک شجر ہے ، جاگو بھی

بچھتی ہیں چاروں اور سُرنگیں بارودی
آندھی ہے اور رقصِ شرر ہے ، جاگو بھی

بازاروں میں یا سائے یا کیڑے ہیں
آسیبوں سے پُر ہر گھر ہے ، جاگو بھی

مُطرب کی ہر تان میں فتنے سوتے ہیں
شاعر کا دِل موت نگر ہے ، جاگو بھی

یوں تو برسوں سے سناٹے بستے ہیں
اب کے کچھ عالم ہی دگر ہے، جاگو بھی

گل یادوں کے پردے میں کیا چھپتے ہو
تیز بہت گل چیں کی نظر ہے، جاگو بھی

چین بہت ہے لمبی تان کے سونے میں
لیکن کب تک، سر پہ سفر ہے، جاگو بھی

لو خورشید سوا نیزے پر آ پہنچا
موم تمہارا کاسۂ سر ہے، جاگو بھی

شاید اب کے بعد نہ کوئی آئے گا
نالہ کناں زنجیرِ دَر ہے، جاگو بھی

شہرتِ قبرستان میں کن کو کہتے ہو
سونے والو! وقتِ سحر ہے جاگو بھی

○

آگے بھی کوئی حرمتِ اہلِ نظر نہ تھی
یوں آبروئے عشق مگر دَر بدر نہ تھی

تُلتے تھے موتیوں میں سخن ور، نہ جانے کب
کِس عہد میں حقیر متاعِ ہنر نہ تھی

کِس بندۂ سفر کو ملا گوہرِ مراد
کِس صاحبِ غرض کی دُعا بے اثر نہ تھی

آرائشِ جمال سے فارغ رہا وہ کب
مخلوق اپنے حال پہ کب نوحہ گر نہ تھی

یہ شہر اس کے لوگ ہمیشہ سے ہیں یونہی
اِس رات کے نصیب میں ہرگز سحر نہ تھی

یا بال و پر ملے ہیں تو جینا وبال ہے
یا اک گھڑی بھی بے ہوسِ بال و پر نہ تھی

شہرِ خیال میں بھی بلاؤں کا ہے نزول
اُن سے بچھڑ کے حال یہ ہو گا، خبر نہ تھی

وہ کونسا ستم ہے جو شہرت نہ تھا یہاں
انسانیت کی قدر مگر سیم و زر نہ تھی

○

ترے غم سے بھی نہ دل سے غمِ دُنیا نکلا
چیر کر سینۂ خورشید اندھیرا نکلا

ایسی دلدل میں پھنسا پھر نہ سفینہ نکلا
کتنا پایاب غمِ دہر کا دریا نکلا!

گھِس گئیں انگلیاں، آنکھوں میں سیاہی پھیلی
دِل کا افسانہ مگر بے سر و بے پا نکلا

عُمر بھر قافلۂ گُل کے تجسّس میں رہے
راستہ جو بھی ملا جانبِ صحرا نکلا

کفر کہتے تھے جسے ہم، وہی اسلام ہوا
جس کو ہم کعبہ سمجھتے تھے، کلیسا نکلا

کور تھی آنکھ تو ہر ذرّہ تھا خورشید بکف
روشنی پائی تو ہر آئینہ صحرا نکلا

نیلؔ بھی راہ نہ دے گا کبھی اب موسیٰ کو
دستِ فرعون، حریفِ یدِ بیضا نکلا

وہ جو مغضوب تھے اب درخورِ الطاف ہوئے
کون سے گوشے سے "تابوتِ سکینہ" نکلا

جس کو پھونکوں سے بجھاتے رہے ہم اہلِ چمن
برق بن کر وہی شعلہ سرِ صحرا نکلا

جل بجھے دھوپ کے سنّاٹے میں ہم اہلِ سفر
تیرے سائے سے تہی دامنِ سینا نکلا

ہے مرض ایک، طبیبوں کا نہیں کوئی شمار
وائے اس بھیڑ میں کوئی نہ مسیحا نکلا

سنتِ آلِ نبیؐ کون کرے گا پُوری
آج جس شہر کو دیکھا وہی کوفہ نکلا

وہ فلسطین ہو، کشمیر کہ ڈھاکا شہرت
ہر جگہ اپنے مقدّر کا جنازہ نکلا

○

سوادِ شہرِ فنا میں ہے قافلہ اب تو
نظر اُٹھاؤ کہ طوفان ٹل گیا اب تو

تہی ہے دامنِ گلزار رنگ و خوشبو سے
تِری تلاش میں ہے کوبکو صبا اب تو

غمِ زمانہ سے ملنے لگا سکوں دِل کو
تِرے خیال سے ملتا ہے سلسلہ اب تو

تمہارا دھیان ہے کس کو، تمہارا غم کس کو
بدل چکا ہے یہاں شیوۂ وفا اب تو

بدل چکے ہیں چلن عشق پیشہ لوگوں کے
رفو نہ ہو گا کبھی دامنِ جفا اب تو

رواں دواں تھے، نہ جب تک تھا رہ نما کوئی
قدم قدم پہ اُلجھتا ہے راستہ اب تو

کہاں پڑے ہو یہ دَھندے بکھیر کر شہرت
کہ آفتاب لبِ بام آ چلا اب تو

○

راس آتی ہے اِس دل کو اَدا اور طرح کی
یہ آئینہ مانگے ہے جِلا اور طرح کی

بے رنگ ہُوا خُونِ شہیدانِ وفا کا
درکار ہے اب اُن کو حِنا اور طرح کی

زندان و سلاسل، رسن و دار سے حاصل
ہے جرمِ محبّت کی سزا اور طرح کی

دِل باختہ پروانہ کوئی پاس نہ آئے
روشن ہے یہاں شمعِ وفا اور طرح کی

ہنستے ہوئے پھُولوں کے ڈھلک جاتے ہیں منکے
اِس باغ میں چلتی ہے صبا اور طرح کی

جو آئے یہاں دیدہ و دل چھوڑ کے آئے
اِس شہر کی ہے آب و ہوا اور طرح کی

دُنیا یہ سمجھتی ہے کہ جیتے ہیں ابھی تک
ہم لوگوں کو آئی ہے قضا اور طرح کی

اب رسمِ خلیلی ہوئی فرزند نوازی
اب عرش سے آتی ہے ندا اور طرح کی

میں میرؔ نہیں، غالبؔ و اقبالؔ نہیں، پر
ہے میری نوا سب سے 'جدا' اور طرح کی

شیشہ کوئی ٹُوٹے تو خبر ہوتی ہے سب کو
دِل ٹوٹے تو آتی ہے صدا اور طرح کی

کُٹیا ہو، حویلی ہو، کوئی دم کی ہے شہرت
اِس مرتبہ اُٹھی ہے گھٹا اور طرح کی

○

مُنہ موڑ کے منزل سے بہت خوار ہوئے ہم
نقّاش تھے، اب نقش بدیوار ہوئے ہم

صاحب سخنو! کچھ تو کہو، کچھ تو بتاؤ
کیا جُرم تھا کیوں موردِ آزار ہوئے ہم

اپنوں کا لہو اتنا بھی ارزاں نہیں ہوتا
کیا سِحر ہے یہ جس میں گرفتار ہوئے ہم

یکتا تھا بہت انجمن آرائی کا دِل کو
جس کے لیے رُسوا سرِ بازار ہوئے ہم

اتنا بھی نہیں کوئی کہ دو اشک بہائے
خود قتل ہوئے، خود ہی عزادار ہوئے ہم

دشمن کا گماں ہوتا ہے خود عکس پہ اپنے
آئینے کے دامن کے لئے عار ہوئے ہم

خورشیدِ جہاں سوز سوا نیزے پہ آیا
کیا نیند ہے، اِس پر بھی نہ بیدار ہوئے ہم!

دعویٰ کریں کس منہ سے غزل گوئی کا شہرت
غارت گرِ ناموسِ چمن زار ہوئے ہم

آباد پھر اک کرب و بلا ہو کے رہے گی
یہ رسم بہرحال ادا ہو کے رہے گی

پھر کوئی حسینؑ آئے گا اِس دشتِ ستم میں
پرچم کسی زینبؑ کی رِدا ہو کے رہے گی

جی ہارنا پروانوں کا ایمان بنے گا
روشن یہاں پھر شمعِ وفا ہو کے رہے گی

ہم آپ مسیحا ہیں مگر بھول گئے ہیں
یاد آیا تو ہر دُکھ کی دوا ہو کے رہے گی

قربان تری خاک کے ہیں اے مرے لاہور!
مسموم تری آب و ہوا ہو کے رہے گی

مجبور ہوں ہر چند ہے شہرت مجھے معلوم
اِس شور میں گم میری نوا ہو کے رہے گی

○

زندہ رہنے کی ہوس خوار لئے پھرتی ہے
سرِ ہر کوچہ و بازار لئے پھرتی ہے

وسعتِ دشت سے دل تنگ نہیں ہوں لیکن
ہوسِ سایۂ دیوار لئے پھرتی ہے

زندگی لاش ہے ایسی کہ ہم ایسے لاکھوں
اپنے ہمراہ عزادار لئے پھرتی ہے

پاؤں پتھر ہوئے، آنکھوں میں اندھیرے پھیلے
پھر بھی اک حسرتِ دیدار لئے پھرتی ہے

کوئی ایسا نہیں دُنیا کو جو سمجھائے کبھی
ساتھ شہرت کو وہ بیکار لئے پھرتی ہے

○

سکوں شب کو نہ کچھ آرام دن میں
کہاں رہنا پڑا ہے اور کن میں

کبھی یہ ٹوٹتے تارے بھی دیکھو
جھلکتی ہے مری تصویر اِن میں

ڈسا کرتے ہیں پَل پَل سانپ بن کر
وہی سائے کہ گزری عُمر جن میں

اُجالے کا یہ عالم ہے کہ شہرت
دیئے روشن کیے لوگوں نے دِن میں

○

یہ شہر ہے، یاں نقشِ کفِ پا نہ ملے گا
کوئی بھی جو اِس بھیڑ میں بچھڑا، نہ ملے گا

وہ دشتِ بلا خیز ہے درپیش کہ یارب!
میں کون ہوں، یاں خضر کو رستہ نہ ملے گا

اُس رُت کی خبر پائی ہے اربابِ جنوں نے
پھولوں کا تو کیا ذکر ہے کانٹا نہ ملے گا

اُڑتی رہی یہ گرد اگر اور بھی کچھ دن
ڈھونڈے سے تصوّر میں بھی دریا نہ ملے گا

یہ دھوپ، یہ صحرا بھی غنیمت ہے کہ شہرت
پھر سایۂ دیوار بھی ایسا نہ ملے گا

○

شعلہ نمط وہ آتے ، جلایا ، ہوا ہوئے
گویا کبھی کے فرض تھے آن پڑ ، ادا ہوئے

ٹک ایک شب ہمارے کنے بھی بسر کرو
مدّت ہوئی ہمیں بھی فراق آشنا ہوئے

ساحل پہ جن کی بات بھی پوچھے نہ تھا کوئی
اُترے جو بحر میں تو وہی نا خدا ہوئے

شہرت جنہوں کے دم سے تھیں محفل میں گرمیاں
وے اہلِ دل خبر بھی ہے تجھ کو کہ کیا ہوئے!

○

غزلیں کہہ کہہ عمر گزاری
کوئی نہ سمجھا بات ہماری

موت بھی جس کو بھول گئی ہو
کون کرے اُس کی دِلداری

اپنا اپنا دِل بہلایا
کِس نے کِس کی بزم سنواری

جی نہیں بھرتا کہتے سنتے
باتیں اُن کی پیاری پیاری

عشق سے کِس نے پھل پایا ہے
میرؔ ہو میراجی کہ بخاری

"پھر جمع کر رہا ہوں دلِ لخت لخت کو"

برگِ خزاں گزیدہ کو ڈرتا ہوں دیکھ کر
یارب مجھے بھی عشرتِ آوارگی ملے

کیا مہر و ماہ اس کی مدد کو پہنچ سکیں
داغِ جگر سے بھی نہ جسے روشنی ملے

جُز وہم کوئی فرق نہیں ہجر و وصل میں
صاحب دلوں کو دونوں میں بے چارگی ملے

●

یادوں کی یہ چھاؤں گر نہ ہوتی
دُنیا کی یہ دُھوپ کھا گئی تھی

●

نہ لے جاؤ مجھے اُس کی گلی میں چاندنی شب ہے
کہ دیوانہ ہوں مَیں دیوار کے سائے سے ڈرتا ہوں

●

پھر اِن کے بعد رونقِ بازارِ عشق ہیچ
کُچھ بھی ہو آنسوؤں کا نہ سودا کرے کوئی

●

رات کی نذر ہو گئے ہم بھی
آخرِ کار سو گئے ہم بھی

●

اُلجھ اُلجھ گیا رشتہ ترے تصوّر کا
بہت اُداس رہا دِل چراغ جلنے تک

●

اب جہاں دُھول بھی نہیں اُڑتی
اَبر بَرسا کئے وہاں کیا کیا
چار تنکوں کا سوگ کیا کیجے
ہو گئے راکھ گُلستاں کیا کیا

●

عرضِ خود آگہی جو گوارا نہیں تجھے
اپنی ثنا گری کا تو اعزاز دے مجھے
وہ چُپ لگی ہُوئی ہے کہ رُکنے لگا ہے جی
دشتِ خیال سے کوئی آواز دے مجھے

●

ذکر جب اپنی تباہی کا چھڑا ہے شہرتؔ
ہم نے اکثر انہیں با دیدۂ نم دیکھا ہے

●

ڈھونڈتے ہو اب کیسے مثلِ نسیم
جاگنے والے تو کب کے سو چکے
کس توقع پر جئے شہرتؔ کوئی
اک ترا غم تھا سو وہ بھی کھو چکے

●

ہم پیار کے رسیا ہیں نہ یوں تُرش ہو شہرتؔ
سانبھر کا نمک خون میں اب تک ہے ہمارے

●

کوئی آئے یہاں، کس کو پڑی ہے
کہ میں بُت ساز بھی ہوں بُت شکن بھی
عبث افسردہ ہو شہرتؔ یہاں تو
غنیمت ہے جو مل جائے کفن بھی

سہ شاعر کا آبائی وطن

دیارِ شوق ہے شہرت ذرا ہنسو تو سہی
تمام عمر پڑی ہے اُداس رہنے کو

●

بزار ہم تھے جب تو یہ دُنیا خفا نہ تھی
بھیگے جواب تو جیسے کبھی آشنا نہ تھی
ہر سانس میں ہے آج تری بے رُخی کی آنچ
وہ دن کہاں کہ زندگی تیرے سوا نہ تھی

●

یہ کیا ہے کہ دن رات تڑپا کرو
محبت کو یوں تو نہ رُسوا کرو
ہمیشہ رہے غیر کی راہ میں
کبھی اپنا رستہ بھی دیکھا کرو

●

جاؤں روداد دِل کہوں اُن سے
آزماؤں تو حوصلہ دل کا

●

آلِ علیؑ کا جیسے لہو سرد ہو گیا
بستی ہر ایک کوفہ و بغداد ہو گئی
شہرت کے جی کو بھا ہی گیا قیس کا چلن
لو آبروئے دشت بھی برباد ہو گئی

●

دشتِ تخیّل میں کیا دیکھتا ہوں
کس کا نقشِ کفِ پا دیکھتا ہوں
کون اِس دشت سے گزرا ہے جو یوں
ہر طرف باغِ حنا دیکھتا ہوں

●

دردِ فراق کہنے کی ہمت نہیں رہی
یعنی کہ دل میں وصل کی حسرت نہیں رہی
ہر لحظہ اُن کا چہرہ نظر کے ہے سامنے
کیسے کہوں کہ اُن سے محبت نہیں رہی

●

یارب فضا میں ایک ابابیل بھی نہیں
اصحابِ فیل صحنِ حرم میں ہیں خیمہ زن

اِس جُرم پر کہ تیرے غم میں کُڑھے ہیں برسوں
جینے کے سب سلیقے تعزیر ہو گئے ہیں
نالے کہ جن کی لب تک ممکن نہ تھی رسائی
وارفتگی کے ہاتھوں تحریر ہو گئے ہیں
جن کی کہانیوں سے گرمی تھی انجمن میں
وہ لوگ رفتہ رفتہ تصویر ہو گئے ہیں

●

تا چند حدیثِ لب و رخسار کہو گے
مجھ دردِ فراہم کی بھی فریاد سنو گے
یہ رات نہ آئے گی، یہ صحبت نہ ملے گی
جوں شمعِ سرِ دشت اکیلے ہی جلو گے
جُز آئنہ جب کوئی بھی دمساز نہ ہو گا
مجھ یاس گزیدہ کو بہت یاد کرو گے

●

واقعے خواب ہو گئے سارے
پاس کے لوگ ہو چلے تارے
اِک عجب دھیان لے کے ڈوب گیا
اُن کو دیکھا نہ خوف کے مارے

●

مُنہ دکھائیں گے کیا ترے غم کو
شام جنگل میں ہو گئی ہم کو
کوئی مجھ سا بھی پھر نہ آئے گا
مغتنم جانیے مرے دم کو

●

جیب کے ساتھ یہ دیوانے جگر چاک ہُوئے
ہوسِ شعلہ میں جلتے رہے اور خاک ہُوئے
اتنا آزردہ نہ ہو، کِس کو خبر کل کیا ہو
کتنے پیارے تھے یہ سب لوگ جو سفّاک ہُوئے

●

پھر وہی دشت، وہی دُھوپ، وہی لُو ہوگی
یہ گھٹا پہلے بھی چھائی تھی کسے یاد نہیں
ایسی آندھی میں کہ سُورج کا دِیا گُل کر دے
تُم نے اِک شمع جلائی تھی، کِسے یاد نہیں
قیس و فرہاد پہ موقوف نہیں ہے شہرت
ہم نے بھی خاک اُڑائی تھی، کِسے یاد نہیں

●

کون ہے جس پہ یہ بیداد کرو گے پیارے
مر گئے ہم تو بہت یاد کرو گے پیارے
ثبت ہو جائیں گی کانوں پہ، دلوں پر مُہریں
رات دن روؤ گے، فریاد کرو گے پیارے

○

گھر بھی عجیب چیز ہے شہرت کہ آج تک
برسوں گزر گئے ہیں مگر بھولتا نہیں

○

نہ تیری یاد کی خوشبو نہ تیرے درد کے رنگ
اب ایسے گلشنِ ہستی کو کیا کرے کوئی
مہ و نجوم ہوئے نذرِ تیرگی کیا کیا
ہمارے حق میں بھی یارب دُعا کرے کوئی
یہ کیسا شہر ہے یارب! یہ کیا زمانہ ہے
چڑھے ہے دار پہ کوئی، خطا کرے کوئی
سوائے اِس کے کہ سانسیں اُلجھ اُلجھ سی گئیں
یہ کوئی درد ہے جس کی دوا کرے کوئی

○

ہاں دشتِ وفا اُداس مت ہو
ہم لوگ اسیرِ روز و شب ہیں
کوئی بھی نہیں تھا جب تو سب تھے
اب کوئی نہیں رہا، جو سب ہیں
اوروں سے گِلہ عبث ہے شہرتؔ
یاں اہلِ ادب بھی بے ادب ہیں

●

ہو گیا گرد اُبلتا ہُوا دریا آخر
رنگ لائی ہوسِ عشرتِ دُنیا آخر

●

شہرتؔ چلے تھے گھر سے کچھ اپنی تلاش میں
رستے میں میرؔ جی سے مُلاقات ہو گئی

●

زباں زنکتہ فرو ماند و رازِ من باقیست
بضاعتِ سُخن آخر شُد و سُخن باقیست

(عُرفی)

شعری ادب

دیوارِ گریہ	شہرت بخاری
چادرِ صحرا	ساغر صدیقی
گلیاں دھوپ دروازے	کشور ناہید
سلاسل	جاں نثار اختر
تارِ گریباں	جاں نثار اختر
سکوتِ شب	جاں نثار اختر
گھر آنگن	جاں نثار اختر
نذرِ بتاں	جاں نثار اختر
گفتگو	قتیل شفائی
چھتنار	قتیل شفائی
آوازوں کے سائے	قتیل شفائی
روزن	قتیل شفائی
آواز کا سفر	ایوب رومانی
نقشِ آب	تاب اسلم
دیوانِ غالب	اسد اللہ خاں غالب
تلخیاں	ساحر لدھیانوی

مکتبۂ عالیہ لاہور